شاہراہ ترقی

کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند) جامع مسجد دہلی

شاہراہِ ترقی

یعنی وہ سیدھا اور صاف راستہ جس پر چل کر ہر شخص ترقی اور کمال حاصل کر سکتا ہے،

مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

ناشر
کتب خانہ انجمن ترقی اُردو، جامع مسجد دہلی
تعداد ایک ہزار　　سنہ ۱۹۵۰ء　　قیمت آٹھ آنہ (۸؍)

فہرست مضامین

ابتدائے سخن	۳
عبادت کا مفہوم	۷
عبادت کی غرض	۸
اسلام کیا ہے ؟	۹
اسلام کی حقیقت	۱۴
ارکان اسلام	۱۷
پہلا رکن توحید و رسالت کا اقرار	۱۸
توحید	۱۹
خدا تعالیٰ کی صفات	۲۰
نبوت و رسالت	۲۴
اثبات نبوت	۲۷
اسلام کا دوسرا رکن "نماز"	۳۳
اسلام کا تیسرا رکن "زکوٰۃ"	۴۰
اسلام کا چوتھا رکن "روزہ"	۴۶
اسلام کا پانچواں رکن "حج"	۵۳
حقیقی سعادت	۵۸
تکمیل انسانیت	۵۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ابتداء سخن

بیا در دید گرایں جا بود سخندانے — غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

آج پوری دنیا عرب ہو یا غیر عرب۔ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اضطراب اور بے چینی میں مبتلا ہے۔ اور حقیقی سکون اور اطمینان سے محروم ہے۔ باوجودیکہ دنیا ان لذتوں اور راحتوں سے ہم کنار ہے جن سے کبھی آشنا بھی نہ تھی۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انسان مادیات میں مشغول ہو کر روحانیت سے بالکل غافل ہو گیا۔ مادیات سے جسم پرورش اور نشو و نما پاتا ہے اور روح کو عارضی فرحت محسوس ہوتی ہے۔ مگر وہ حقیقی سکون و اطمینان کہاں جو روح کو روحانیت سے عطا ہوتا ہے۔

روح کی تسکین اور اطمینان کے لئے تو صرف وہی طریقے مفید اور کارآمد ہو سکتے ہیں۔ جو اللہ رب العالمین کی یاد کو تازہ رکھیں۔ چنانچہ پروردگار کا فرمان ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب خبردار رہو صرف اللہ کی یاد سے قلوب اطمینان حاصل کرتے ہیں۔

پس اگر دنیا کو اطمینان اور سکون کی زندگی گذارنا ہے تو اس کو لامحالہ ان طریقوں کو اختیار کرنا ہوگا جن سے روحانیات کی ترقی ہو اور خدا کی یاد ہردم تازہ رہے۔ اسی زندگی سے درحقیقت لطف زندگی ہے جس پر سب جاہ وحشم قربان ہے۔ ع

کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

یہی انسانی ترقی ہے جس پر انسان کی نجات اور فلاح موقوف ہے۔

اس مختصر رسالہ میں اس ترقی کی حقیقت اور اس کے ذرائع کو عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ معمولی سمجھ کا انسان بھی اس سے فائدہ اٹھا کر ترقی اور کمال سے آراستہ ہوسکے۔

پھول کی پتی سے کٹ جاتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

ہیچمداں

محمد احتشام الحسن غفر اللہ و کان لہ

کاندھلہ ضلع مظفر نگر

یکم ربیع الثانی ۱۳۶۹ سنہ ہجری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی لا الٰہ الا ھو والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ اجمعین۔ خداوند کریم نے اس شکل انسانی کو دو مختلف چیزوں سے مرکب کر کے بنایا ایک مادی اور کثیف ہے جس کو جسم کہتے ہیں اور دوسری لطیف اور نورانی ہے جس کو روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایک خاص مدت تک ان دونوں کا اتصال رہتا ہے جس کو زندگی کہتے ہیں اور جب ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں تو اس جدائی اور علیحدگی کو موت اور فنا کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے ؎

زندگی کیا ہے عناصر کی ظہور ترتیب　　موت کیا ہے اجزاء کا پریشاں ہونا

جسم مادی کو گوشت، پوست، ہڈی، خون غرض ایسے اجزاء سے ترتیب دیا گیا ہے کہ ہر دیکھنے والا یقین کرتا ہے کہ یہ کبھی نہ کبھی ضرور فنا ہو گا اس لئے کہ جو چیز فانی اجزاء سے بنائی جائے گی وہ ضرور فنا ہو گی برخلاف روح کے کہ وہ ایک نورانی شے ہے نہ اسکو فنا ہونے والے اجزاء سے بنایا اور نہ وہ فنا اور عدم کو قبول کرتی ہے۔

اس جسم اور روح کے نشو و نما پر انسان کی ترقی اور کمال کا دار و مدار ہے جسم کی ترقی یہ ہے کہ اسباب معیشت اور سامانِ آسائش زیادہ سے زیادہ مہیا کئے جائیں لیکن یہ ترقی کوئی ترقی نہیں اس لئے کہ ان ضروریات کے پورا کرنے میں انسان اور دیگر حیوانات برابر کے شریک ہیں پھر انسان کی فوقیت اور برتری کی کیا وجہ ؟۔

انسان کی اصل ترقی اور کمال اس کی روح کی ترقی اور کمال پر موقوف ہے۔ روح چونکہ ایک نورانی شے ہے اس لئے اسکو مادی اسباب سے نہ تقویت پہنچتی ہے اور نہ انکے ذریعہ وہ کمال اور ترقی حاصل کر سکتی ہے۔ بلکہ روح کی ترقی یہ ہے کہ اسکو نور مطلق یعنی خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے۔ جس قدر یہ تعلق بڑھتا جائیگا روح کو ترقی ہوتی جائے گی۔ حتی کہ عروج و کمال کے منتہیٰ کو پہنچ جائے گی۔ یہی روح کی اصلی غذا ہے اور اسی سے روح کی حیاۃ میں تازگی اور شگفتگی اور نشو و نما کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی تو اب غور کیجئے کہ اس روئے زمین پر ترقی اور عروج کے جو کچھ سامان پائے جاتے ہیں وہ جسم کی ترقی اور نشو و نما سے تعلق رکھتے ہیں۔ روح کی ترقی اور حیاۃ میں ان کو ذرہ برابر دخل نہیں حالانکہ اصل ترقی روح کی ترقی ہے اور اصل حیاۃ روح کی حیاۃ ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ ان ظاہری سامان آرائش اور زیبائش کو نظر انداز کر کے کوئی ایسا طریقہ تلاش کیا جائے جس سے روح کو ترقی اور کمال حاصل ہو لیکن یہ بشری طاقت اور انسانی فہم و ادراک سے دشوار ہے۔ اس لئے کہ ایک نورانی لطیف شے کی غذا اور تقویت کیلئے ان اشیاء کی ضرورت ہے۔ جو اس سے زیادہ لطیف اور نورانی ہوں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ روح انسانی ہر وقت ہر آن انسان کے ساتھ رہتی ہے۔ پھر بھی اس کے لطیف اور نورانی ہونے کی وجہ سے آج تک عقلاء زمانہ اس کی حقیقت اور ماہیت کا ادراک نہ کر سکے تو جو اشیاء روح سے بھی زیادہ لطیف اور نورانی ہیں ان تک ہمارا فہم و ادراک

کیسے پہنچ سکتا ہے ؟-

خداوند کریم نے اپنے لطف وکرم سے اپنے برگزیدہ رسولوں کے ذریعہ اس طریقہ کو بتلایا جس سے روح کی روحانیت اور نورانیت میں جلاو صفائی پیدا ہو- اسی کو **شریعت** کہتے ہیں- اور جن کاموں سے انسان کی روحانیت میں ترقی ہو ان کو **عبادت** کہتے ہیں-

عبادت کا مفہوم

عبادت کے اصل معنی بندگی کے ہیں- عبد اپنے معبود کی رضا اور خوشنودگی کیلئے جو کام کرے اسکو عبادت اور بندگی کہتے ہیں-

ہر انسان جانتا اور سمجھتا ہے کہ وہ فانی ہے- پہلے موجود نہ تھا اب موجود ہے اور آیندہ پھر وہ زمانہ آنے والا ہے کہ یہ موجود نہ ہوگا- اسکے ساتھ ساتھ وہ اپنی حالت کا جائزہ لیتا ہے کہ پہلے وہ ایک کمزور و ناتواں اور ناسمجھ بچہ تھا- پھر جسم کی نشوونما کے ساتھ ساتھ عقل و شعور بھی ترقی کرتا گیا- یہاں تک کہ ہر چیز کامل ہوگئی اور عاقل و بالغ کہلانے لگا- پھر ان چیزوں میں انحطاط آنا شروع ہوا- اور بڑھاپے میں ان سب چیزوں سے محروم ہوگیا- اس ابتدائی اور انتہائی دور میں جو کچھ حوادث اور واقعات پیش آتے ہیں سب اسکے قابو اور اختیار سے باہر نظر آتے ہیں تو مجبور ہو کر اس کو ماننا پڑتا ہے کہ میرا وجود کوئی مستقل شے نہیں بلکہ کسی غیر کی عطا ہے جو بڑی قوت و قدرت و حکمت و بصیرت والا ہے- اور نہایت لطف وکرم والا ہے- جب غور کرتا ہے تو خالق و مالک کی قدرت و کمال اور لطف وکرم کے بے شمار کرشمے اپنے میں پاتا ہے تو دل میں ایک محبت و عظمت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس بات پر برانگیختہ کرتا ہے کہ ایسے

خالق اور مالک کی رضا اور خوشنودگی کیلئے کوئی کام کیا جائے۔ اس نظریہ کے ماتحت جو کام انسان اختیار کرے گا وہ عبادت ہے۔

یہ جذبہ اگرچہ محسوس نہ ہو مگر ہر انسان کی فطرت اور طبیعت میں موجود ہے۔ جو شخص اس جذبہ کی قدر کرتا ہے وہ اسکے ذریعہ حقیقی ترقی اور اعلیٰ کمالات حاصل کرتا ہے۔ اور جو شخص اس جذبہ کی ناقدری کرتا ہے، وہ حقیقی ترقی اور کمال سے محروم رہتا ہے اور اس کی زندگی جانوروں کی طرح بے کیف ہوتی ہے اسلئے کہ یہی وہ جذبہ ہے جس کی وجہ سے انسان حیوانات سے ممتاز اور اشرف ہے۔

عبادت کی غرض

عبادت اور بندگی چند اغراض کے ماتحت کی جاتی ہے۔

اول یہ کہ خدا تعالیٰ کی اس امید اور لالچ میں عبادت کرے کہ مرنے کے بعد خوشگوار زندگی نصیب ہو گی اور دنیا میں عادات و اخلاق کی درستی ہو گی جس سے ایک مہذب و شریف آدمی شمار ہو گا۔

یہ عبادت کا بہت کمتر درجہ ہے۔ اس لئے کہ درحقیقت اس نے معبود برحق کی فرمانبرداری اور رضا جوئی نہیں کی بلکہ اس شے کی جستجو کی جس کو اپنا مطلوب و مقصود بنایا۔ اسکی مثال بالکل ایسی سمجھو جیسا کہ ایک مفلس شخص کسی امیر کی اطاعت اور فرمانبرداری محض اپنی شکم پروری اور حاجت روائی کی غرض سے کرتا ہے۔ تو یہ شخص خواہ کتنا ہی مطیع اور فرمانبردار ہو مگر اس کو حقیقی جانثار اور مخلص نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ نفس پرور اور خود غرض کہلائے گا۔

دوسرے یہ کہ خدا تعالےٰ کی عبادت کرے اس لئے کہ عبادت الٰہی میں مشغول ہونا فی نفسہ ایک سعادت عظمیٰ اور اعلیٰ جوہر شرافت ہے اور اس میں وہ لذت وحلاوت ہے جس کے سامنے ہر لذت دنیاوی ہیچ در ہیچ ہے۔ یہ درجہ پہلے سے اعلیٰ اور اشرف ہے مگر کامل نہیں اس لئے کہ یہ شخص اپنا حقیقی مقصود عبادت کو سمجھا ہوا ہے۔ حالانکہ عبادت مقصود اصلی نہیں بلکہ مقصود اصلی کا ذریعہ اور واسطہ ہے۔

تیسرے یہ کہ خدا تعالیٰ کی عبادت کی جائے اس لئے کہ وہ معبود ہے مالک ہے خالق ہے۔ محسن ہے اور ہم اس کی مخلوق اور بندے اور مملوک ہیں۔ مخلوق کا کام ہی خالق کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے بندہ اور غلام کا کام بندگی اور غلامی ہے۔ محسن حقیقی کے بے شمار احسانات کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہر وقت اور ہر آن اسکی شکر گذاری اور جان نثاری کے ساتھ گذرے دراصل حقیقی عبادت یہی ہے اور اسی سے انسان کی روح اصلی ترقی اور اعلیٰ کمال حاصل کرتی ہے۔

یہ عبادت کا اعلیٰ درجہ ہے جس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ ہر کام میں ہر آن بندہ کی نظر اپنے معبود پر رہے اور ہر وقت اسکی رضا اور خوشنودی کا طالب اور جویاں رہے اور کوئی کام اپنے معبود کی رضا اور منشا کے خلاف اس سے سرزد نہ ہو۔ اسی کو حیوٰۃ طیبہ کہتے ہیں اور اسی حقیقی عبادت کی طرف بلانا اسلام کا مقصود اصلی ہے۔

اسلام کیا ہے

اسلام کے معنی اطاعت اور فرمانبرداری کے ہیں۔ شریعت محمدی میں چونکہ ہر کام میں خدا تعالےٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ضروری ہے اس لئے اس شریعت

کا نام اسلام ہے۔ زمین و آسمان آفتاب و ماہتاب۔ چرند و پرند۔ شجر و حجر۔ غرض کائنات کا ہر ذرہ ایک قانون اور اصول کے ماتحت چلتا ہے اور وہ مجبور ہے کہ اس قانون کا پابند رہے۔ چنانچہ خود انسان بھی اپنے خصوصی اختیارات اور امتیازات کے باوجود اس قانون کے سامنے مجبور ہے۔ اور ہر حال میں اس کا پابند ہے۔ اس قانون کا نام "قانون قدرت" ہے اور اس حیثیت سے ہر شے اللہ رب العالمین کی مطیع اور فرمانبردار ہے۔ لیکن اس حیثیت میں انسان اور حیوانات اور جمادات سب برابر کے شریک ہیں پھر جب انسان کو عقل و شعور کی دولت دی گئی اور اس کے ہر کام کو ارادے اور اختیار کے ساتھ وابستہ کیا گیا تو ضروری ہوا کہ ایسا قانون مقرر کیا جائے جو عقل و فطرت کے موافق ہو پس جو انسان اپنے ارادے اور اختیار سے اس کو قبول کرے۔ وہ حقیقی معنی میں خدا کا مطیع اور فرمانبردار ہے اور قابل انعام و اکرام ہے۔ اور جو شخص اس قانون کو قبول کرنے سے انکار کرے وہ باغی اور نافرمان ہے اور قابل عتاب اور سرزنش ہے۔ یہی "قانونِ فطرت" ہے اور اسی کا نام "اسلام" ہے۔ جس کو خدا تعالےٰ نے اپنے برگزیدہ رسولوں کے ذریعہ دنیا میں بھیجا۔ ہزاروں رسول اور نبی آئے اور انھوں نے اس مذہب کی داغ بیل ڈالی۔ جب مخلوق میں قبولیت کی صلاحیت کا مادہ پیدا ہو گیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس دین کو کامل اور مکمل فرما دیا اور اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ کا مژدہ سنایا گیا۔ اور انسان کی تمام ترقیات اور کمالات کو اس میں منحصر کر کے ترقی اور فلاح کے دیگر راستوں کو مسدود کر دیا گیا۔ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (جو شخص

؎ آج کامل کر دیا میں نے تمہارے لئے دین کو اور پورا کر دیا تم پر اپنی نعمت کو ۱۲

اسلام کے علاوہ کوئی راستہ ڈھونڈے گا وہ ہرگز لائق قبول نہ ہوگا)

ہر وہ شخص جس کو خدا نے عقل و بصیرت کا کچھ حصہ دیا ہے۔ جب تاریخ عالم پر نظر ڈالتا ہے۔ اور اس عالم کی شکل و صورت اور حوادث و وقائع کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ اس جہان کا کوئی بنانے والا ہے۔ جو یکتا ہے کوئی اس کا شریک و معاون نہیں بڑی حکمت و قدرت والا ہے اور ہر صفتِ کمال سے متصف ہے اور ہر اس شے سے منزّہ اور پاک ہے جو اس کی شان میں نقص اور کوتاہی کا شائبہ پیدا کرتی ہو۔ اس لئے کہ حق تعالےٰ نے نظام عالم کو ایسے مخصوص انداز میں قائم کیا ہے کہ ہر غور و فکر کرنے والے پر عالم کو مشاہدہ کرنے کے بعد اسکے بنانے والے کی صفات کمالیہ از خود ظاہر اور محسوس ہو جاتی ہیں اس عالم پر نظر کرنے سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ حق تعالےٰ کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔ بلکہ ہر شے سے مستغنی اور بے نیاز ہے لیکن یہ اس کا استغنا مخلوق کی خیر خواہی کیلئے رکاوٹ نہیں۔ اس لئے کہ وہ بڑی رحمت اور شفقت اور لطف و کرم والا ہے۔

نباتات اور حیوانات کی ہر چھوٹی و بڑی نوع پر غور کیجئے کہ کس طرح حق تعالےٰ نے ہر چیز کے بقا اور حفاظت کے سامان اسکے لئے پیدا کئے ہیں اور ہر نوع کی ضروریات زندگی کس حسن و خوبی کے ساتھ مہیا کی ہیں۔ جو خدا اپنی مخلوق پر اس قدر شفقت و رحمت والا ہے وہ انسان کو جو اسکی اشرف مخلوقات ہے کیسے اپنی رحمت کاملہ سے محروم کر سکتا ہے؟ اور کیسے اس کے لئے ایسا قانون مقرر کر سکتا ہے جو ترقی اور کمال کے حصول میں رکاوٹ پیدا کرے؟

نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ اس نے انسان کیلئے وہی قانون مقرر کیا ہے جس میں بنی نوع انسان کا فائدہ ہے۔ ترقی ہے اور فلاح و بہبود ہے جب کہ خدا تعالیٰ نے انسان کی طبیعت اور فطرت میں ترقی کا مادہ رکھا ہوا ہے تو وہ ہرگز ایسا قانون مقرر نہیں کر سکتا جو اسکی ترقی کو پامال اور نیست و نابود کرے اور اس کی طبیعت اور فطرت کے خلاف ہو۔ اس کا مقرر کیا ہوا قانون سراسر عقل و فطرت کے موافق ہوگا۔ جس پر چلکر انسان ترقی کے منتہا کو پہنچ سکے اور کمالات کے اعلیٰ مدارج سہولت کے ساتھ طے کر سکے۔

چنانچہ جب اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کیا جاتا ہے تو واضح ہو جاتا ہے کہ اسکی بنیاد ایسے مستحکم اور مضبوط اصولوں پر قائم ہے جنکو سلیم الطبع انسان کی طبیعت فوراً قبول کر لیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قلیل عرصہ میں اسلامی تعلیمات تمام عالم میں پھیل گئی اور انسانی قلوب کو مسخر اور شیدا بنا لیا۔ اس لئے کہ ہر قوی چیز کمزور کو مسخر و مغلوب کر کے اسپر قابو پا لیتی ہے اسلامی اصول چونکہ نہایت قوی اور زوردار تھے اس لئے ان کے مقابلہ میں دیگر بے حقیقت اور بے بنیاد تعلیم زیادہ عرصہ نہ ٹھیر سکی

اس اجمال کی تفصیل کیلئے ایک طویل دفتر درکار ہے اور ہمیں اختصار مدنظر ہے اس لئے سمجھانے کیلئے صرف اس قدر عرض کیا جاتا ہے کہ قانون اسلامی کے تمام احکام کا منشا اور مآل چند امور ہیں۔

اول اس بات کا اعتقاد کہ خدا تعالیٰ ہمارے تمام اعمال و افعال اور خود ہمارے وجود سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔ جو کچھ ہم عمل خیر کرتے ہیں اسکے تمام منافع خود ہمیں ملتے ہیں خداوند کریم کی عالی

ذات کو نہ ہمارے اعمال کی ضرورت اور نہ ان سے کوئی منفعت۔

وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ

اور جو شخص کوشش کرتا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے اپنی جان کیلئے بیشک اللہ بے پرواہ ہے تمام جہانوں سے۔

دوسرے خداوند کریم بڑے رحم و کرم والا ہے اس کا مقصود انسان کی صلاح و فلاح ہے اور صرف انسان کی صلاح و فلاح کیلئے قانون بنایا اور تمام احکام مقرر کئے

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (سورہ مائدہ رکوع ۲)

اللہ نہیں چاہتا کہ تمپر تنگی کرے لیکن چاہتاہے کہ تمکو پاک کرے اور تمپر اپنا احسان پورا کرے تاکہ تم احسان مانو

تیسرے جس قدر احکام خداوندی ہیں وہ انسان کی فطرت اور طبیعت کے موافق اور مناسب ہیں جن کا منشا انسان کی طبیعت کو سیدھے راستہ پر قائم رکھنا ہے نہ کہ انسان کو دشواری اور مشقت میں مبتلا کرنا۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ رکوع ۲۳)

اللہ چاہتاہے تمپر آسانی اور نہیں چاہتا تمپر دشواری۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ رکوع ۴۰)

اللہ نہیں تکلیف دیتا کسیکو مگر جسقدر اسکی گنجایش ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ أَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء رکوع ۵)

اللہ چاہتاہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان بنا ہے کمزور۔

چوتھے احکام خداوندی سے مقصود انسان کی روحانی اور مادی

تربیت اور ترقی اور نفسِ انسان کی اصلاح اور تہذیب ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَأمُرُ بِالعَدلِ وَالاِحسَانِ وَاِیتَاءِ ذِی القُربٰی وَیَنھٰی عَنِ الفَحشَاءِ وَالمُنکَرِ وَالبَغیِ یَعِظُکُم لَعَلَّکُم تَذَکَّرُونَ۔ (النحل رکوع ۱۳)

اللہ حکم کرتا ہے انصاف کرنیکا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت والوں کو دینے کا اور منع کرتا ہے بے حیائی سے۔ اور نا معقول کام سے اور سرکشی سے تمکو سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔

اب ہر ذی شعور خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ جب اسلام کے تمام احکام ان چار اصول پر مبنی ہیں تو یقیناً وہ نہایت سہل اور کار آمد و مفید ہیں اور انسان کی ہر نوع کی ترقی اور فلاح و بہبود ان کی بجا آوری اور پابندی پر منحصر ہے۔ اور ان کو چھوڑ کر انسان نہ ترقی کر سکتا ہے اور نہ اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

اسلام کی حقیقت

اسلام صرف چند اعتقادات اور عبادات کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی گذارنے کا ایک مکمل دستور العمل ہے جس کو خود انسان کے بنانے والے نے انسان کی ترقی اور فلاح و بہبود کیلئے تجویز کیا ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی پوری پوری رہبری اور رہنمائی کرتا ہے اور جس کے ذریعہ انسان کی مادی اور روحانی تربیت کر کے اس کو اوجِ کمال تک پہنچایا ہے۔ اور ان کمالات سے انسان کو آراستہ کیا ہے جن کے بعد خلافت خداوندی کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور دنیا کی ہر قوت اس کے سامنے سرنگوں ہو جاتی ہے تاکہ وہ شر و فساد سے خدا کی زمین کو خالی کرے اور مخلوق خدا کو نیکی اور بھلائی کی طرف بلائے اور جہالت و ضلالت کی گندگی سے ان کو

پاک وصاف کرے۔ جس کی نظیر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگی ہے کہ انھوں نے اپنے نفسوں پر خدا کی حکومت اور سلطنت کو قائم کیا۔ اور خدا اور رسول کی پوری پوری اطاعت اور فرمانبرداری کر کے صحیح معنی میں اپنے آپ کو مسلمان بنایا۔ تو حق تعالےٰ نے اس کمزور و ناتواں جماعت کو تھوڑے عرصہ میں روئے زمین پر مسلط کر دیا تاکہ یہ خود بھی آزادی کے ساتھ احکام خداوندی کی پابندی کر سکیں اور دوسرے انسانوں کو بھی خالق اور مالک کی اطاعت اور فرمانبرداری کی دعوت دین الحاصل اسلام کا مفہوم یہ ہوا کہ خدا وحدہٗ لاشریک لہٗ کے ماسوا ہر قوت اور طاقت کو ٹھکرا کر صرف خدا کی حکومت اور سلطنت کو تسلیم کرنا اور فرمانبردار رعایا کی طرح بے چون وچرا اسکے ہر حکم کو قبول کرنا اور اپنی تمام زندگی کو اس قانون کے ماتحت گذارنا جو رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں بتلایا گیا ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○	پیروی کرو تم اس کتاب کی جو نازل کی گئی تمہارے رب کی جانب سے اور نہ پیروی کرو تم اسکے سوا رفیقوں کی تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔

لیکن چونکہ یہ ملکہ پیدا ہونا دشوار تھا اس لئے چند مخصوص عبادات ہر مسلمان پر فرض اور لازم کر دی گئی تاکہ ان کے ذریعہ سے حق تعالےٰ کی ذات وصفات کی معرفت اور ان کا یقین حاصل ہو۔ جو انسان میں حق تعالےٰ کی محبت وعظمت کا جذبہ پیدا کرے اس جذبہ کے ماتحت پھر انسان کا ہر فعل خود بخود رضاء خداوندی کے ماتحت سرزد ہوگا۔

اسی لئے ان عبادات کا نام ارکان اسلام ہے۔ یعنی اسلام کے ستون۔ جس طرح ایک عمارت چند ستون پر قائم ہوتی ہے اور ان ستونوں کے گرجانے سے وہ عمارت بھی منہدم ہو جاتی ہے اسی طرح اسلام کی عمارت بھی چند ستون پر قائم ہے۔ اگر ان میں سے کسی ستون کو کمزور کر دیا جائے گا تو اسلام کی عمارت میں اسی قدر نقص اور کمزوری پیدا ہو جائے گی اور اگر ان سب ستونوں کو کمزور کر دے گا تو اسلام کی عمارت کا بقاد شوار ہو جائے گا

ارکانِ اسلام

اسلام کے پانچ رکن ہیں۔ اول توحید و رسالت کا دل میں یقین کرنا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا۔ دوسرے نماز پڑھنا۔ تیسرے زکوٰۃ دینا۔ چوتھے رمضان کے روزے رکھنا۔ پانچویں حج کرنا۔

ان میں پہلا رکن اعتقاد اور تصحیح خیالات سے تعلق رکھتا ہے۔ باقی چار رکن عبادات جانی و مالی ہیں۔

انسان میں دو بڑی قوتیں موجود ہیں ایک "قوت فکریہ" جس پر خیالات اور اعتقادات کا مدار ہے۔ دوسرے "قوت عملیہ" جس پر تمام افعال و اعمال کا مدار ہے۔ باقی جس قدر بھی قوتیں ہیں وہ انہی دونوں سے متفرع اور انہی کی شاخ ہیں۔

غرض انسان کی فلاح اور بہبود اور ترقی اور کمال کا مدار صرف ان دو قوتوں پر ہے اگر یہ صحیح راستہ اختیار کرلیں تو پھر انسان کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ چنانچہ اسلام میں بھی اسی بنیادی چیز کی اصلاح پر زیادہ توجہ دی گئی

"قوۃ فکریہ" کی اصلاح اور درستی کیلئے سب سے پہلے خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کا اقرار ہے جس قدر خدا کی وحدانیت کا یقین انسان کے دل میں راسخ ہوگا اسی قدر واہی تباہی خیالات اور معتقدات سے خلاصی اور چھٹکارا ہوگا۔ حتیٰ کہ جب توحید اصل طور پر انسان کے دل میں جم جائے گی اور اس کا تعلق براہ راست ملاء اعلیٰ سے قائم ہو جائیگا

تو اس دنیا کی کوئی طاقت اس کی نظروں میں طاقت ہو گی اور کوئی ہستی لائق ہستی شمار ہو گی۔ اس عقیدہ کے راسخ ہونیکے بعد انسان کا قلب و دماغ جب تمام خرافات اور کدورتوں سے پاک وصاف ہو گیا تو پھر ضرورت ہوئی کہ "قوت عملیہ" کو ٹھیک کرکے اسکے ذریعہ انسان کو کمالات سے آراستہ کیا جائے۔ چنانچہ قوت عملیہ کی درستی اور اصلاح کیلئے چار عبادات مقرر کی گئیں اور ایسا انداز اختیار کیا گیا کہ "قوۃ عملیہ" کے ساتھ ساتھ "قوۃ فکریہ" بھی ترقی اور پرواز کرتی رہے

پہلا رکن

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کے معنی اور مفہوم کا یقین کرنا اور زبان سے اس کا اقرار کرنا

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں الٰہ اس کو کہتے ہیں جس کی اطاعت کی جائے اور نافرمانی نہ کی جائے اس کی ہیبت اور جلال ہو اسکی محبت اور عظمت ہو۔ اس کا خوف اور ڈر ہو۔ اسی سے امیدیں وابستہ ہوں اسی پر بھروسہ ہو۔ اسی سے سوال کرے۔ اسی سے حاجت روائی اور اعانت طلب کرے۔ یہ سب باتیں غیر اللہ کے لئے زیبا نہیں۔ بلکہ صرف ذات خداوندی کے ساتھ خاص ہیں۔ پس جو شخص ان میں سے کوئی بات مخلوق سے چاہے یہ اسکے اخلاص کا کھوٹ اور توحید کا نقصان ہے ؎

غیروں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نو امیدی ٭ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

ایسے ہی نفسانی خواہشات کا اتباع کرنا کمال توحید کے خلاف ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ — کیا دیکھا اس کو جس نے بنا لیا اپنا معبود اپنی خواہش کو

پس معلوم ہوا کہ جو شخص کسی شے کو اپنا محبوب اور عزیز بنائے اور اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کرے اور اسکو اپنا مطلوب و مقصود بنائے

اس نے گویا اس شے کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں جگہ جگہ نفس اور شیطان کے اتباع کو عبادت سے تعبیر کیا۔

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىٓ اٰدَمَ	کیا نہیں عہد لیا میں نے تمہارے سے اے
اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ	اولاد آدم اس کا کہ نہ عبادت کرو شیطان
لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ	کی بیشک وہ تمہارے لئے کھلا دشمن ہے

توحید

توحید کا مفہوم یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات و صفات اور افعال میں یکتا ہے کوئی اس کا مماثل اور مشابہ نہیں۔

اس جہان کو دیکھئے سو دو سو برس سے نہیں ہزار دو ہزار برس سے نہیں بلکہ ہزاروں برس سے قائم ہے اور نہ معلوم کب تک قائم رہیگا ہمیں اس سے بحث نہیں کہ دنیا کب سے ہے اور کب تک رہے گی دیکھنا صرف یہ ہے کہ اتنے طویل زمانہ سے یہ کارخانہ کس حسن و خوبی سے چل رہا ہے۔ کہ انسانی عقول اسکی ایک ایک بات کی تحقیق اور تفتیش میں صدیاں گزار دیتی ہیں مگر اس کے عجائبات ختم ہونے میں نہیں آتے اس قدر نظم و خوبی کے ساتھ اس کارخانہ کا چلنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے، کہ اس کا چلانے والا اپنے وجود علم۔ حیات و قدرت و بصیرت غرض تمام صفات کمال میں یکتا ہے کوئی ہستی اس کے مماثل نہیں اس لئے کہ اگر خدا میں یہ کمالات کمال کے ساتھ نہ ہوں تو پھر وہ مخلوق کو ان کمالات کے ساتھ کیسے آراستہ کر سکتا ہے؟ اس کے علاوہ جس خدا میں یہ کمالات پورے طور پر موجود نہ ہوں وہ نہ اس کارخانہ کو بنا سکتا ہے اور نہ چلا سکتا ہے۔ بلکہ وہ خدا بننے کے بھی قابل نہیں۔ اس لئے کہ خدا اسی کو کہتے ہیں جو ہر کمال سے متصف ہو اور ہر عیب سے منزہ اور پاک ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی یقین ہو گیا کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس لئے کہ اگر دو یا دو سے زیادہ خدا ہوتے تو اس

کارخانۂ عالم کا اتنی مدت تک قائم رہنا محال تھا۔ کبھی کا ٹوٹ پھوٹ کر نیست ونابود ہو گیا ہوتا۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء رکوع ۲) — اگر ہوتے ان دونوں میں اور معبود سوائے اللہ کے تو دونوں خراب ہو جاتے۔

یعنی آسمان وزمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو یہ کبھی کے خراب ہو گئے ہوتے۔ اس لئے کہ خدا کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی حکومت وسلطنت اور قدرت واختیارات میں مستقل ہو۔ اور کسی کا پابند اور محتاج نہ ہو۔ پس جب اس شان کی چند ہستیاں جمع ہو جائیں گی تو لامحالہ انتظام عالم میں گڑبڑ اور خرابی پیدا ہو گی لیکن عالم کا انتظام نہایت حسن وخوبی کے ساتھ قائم ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی دوسرا خدا موجود نہیں اور نہ کسی دوسری ہستی میں اسکی صلاحیت اور قابلیت کہ اس کو خدا یا خدا کا شریک اور مددگار بنایا جا سکے۔

خدا کی صفات

کارخانہ عالم پر نظر کرنے سے جن صفاتِ خداوندی کا یقین پیدا ہوتا ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔

خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک اور معاون ومددگار نہیں۔ وہی عبادت اور اطاعت کے لائق ہے کسی دوسرے کی اطاعت اور فرمانبرداری زیبا نہیں۔ وہ ہر بات کو جانتا ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ بڑی قدرت وطاقت والا ہے۔ اس نے زمین وآسمان چاند وسورج ملائکہ۔ انسان وجنات اور حیوانات وجمادات غرض تمام جہان کو پیدا کیا اور وہی ہر چیز کا مالک ہے کوئی چیز اس کے قبضہ اور تصرف سے باہر نہیں۔ تمام مخلوق کی موت وحیات اور تندرستی وبیماری سب اسی کے حکم سے ہوتی ہے وہی تمام مخلوق کو رزق دیتا ہے سب مخلوق اسکی محتاج ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں۔ وہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ نہ

سوتا ہی نہ اس کا باپ ہی نہ بیٹا نہ بیٹی نہ بیوی نہ کسی سے اس کا رشتہ ناتا۔ وہ ان تمام تعلقات سے پاک ہی۔ اس کو کسی نے پیدا نہیں کیا وہ خود بخود ہمیشہ سے ہی۔ اور ہمیشہ رہے گا۔ وہ بے مثل ہی۔ کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں۔ وہ تمام عیبوں اور برائیوں سے پاک ہی۔ اور ہر بھلائی اور خوبی کامل طور پر اس میں موجود ہے۔ ذرہ ذرہ کا اسکو علم ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ظاہر و باطن تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ وہ سنتا ہے دیکھتا ہی کلام کرتا ہی۔ اس کی کسی صفت میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ اپنے کام اور ارادہ میں بالکل مختار ہے کوئی اس کو روکنے والا نہیں۔ اور ہر چیز اسکے ارادہ اور حکم کے ماتحت ہی۔

جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ خدا ایک ہی اور اسی کی حکومت و سلطنت ہے اور اسی کی قوت و طاقت ہے اور ہر چیز اس کی قدرت و اختیارات کے ماتحت ہی تو اب اس کے سوا چارہ ہی نہیں کہ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کی جائے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ توحید کی حقیقت کو سمجھے اور دل سے اس کا یقین کرے اور نفس و شیطان کی پیروی اور مادیت پرستی کو چھوڑ کر خدا کا تابعدار بندہ بن جائے اور اپنی تمام زندگی اس کی مرضی کے مطابق گذارنے کی کوشش کرے۔

توحید اسلام کا پہلا سبق اور بنیادی اصول ہے جس پر دین کی عمارت قائم ہی۔ اور اور یہی وہ سبق ہی جو انسان کی کایا پلٹ کرتا ہی اور انسانی زندگی میں وہ انقلاب پیدا کرتا ہے جس کے بعد اس کے بیشتر تعلقات ملاء اعلیٰ سے قائم ہو جاتے ہیں۔ اور دنیا کی ناپید ہونے والی اشیاء سے نہ دلچسپی اور دلبستگی رہتی ہی اور نہ ان کی کوئی حقیقت و وقعت دل میں باقی رہتی ہی۔ غور کیجئے اس شخص کی پرواز کا کیا منتہا ہو سکتا ہی

جس کے دل میں یہ عقیدہ راسخ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا وجود ذاتی اور مستقل نہیں۔ لہذا اس کے سوا کوئی اطاعت اور فرمانبرداری کے لائق نہیں۔ وہی زندگی دیتا ہے، وہی موت دیتا ہے وہی رزق دیتا ہے۔ وہی نفع نقصان پہنچاتا ہے۔ اس کے سوا کسی کی قوت و طاقت نہیں۔ اگر تمام مخلوق ملکر کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ بغیر ارادہ خداوندی کے نہ کسی کو ذرہ برابر نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ذرہ برابر نقصان اور مضرت پہنچا سکتے ہیں مخلوق کا وجود اور تمام اعمال و حرکات سب عارضی اور غیر اختیاری ہیں۔ یہ محض آلات اور کل پُرزے ہیں جو کسی غیبی قوت کے بھروسے پر چل رہے ہیں۔ وہ خود دوسرے کے قبضہ قدرت میں ہیں اور اپنے لئے کسی نفع اور نقصان کے مالک اور مختار نہیں، تو دوسرے کو کیسے نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

اس عقیدہ کے دل و دماغ پر مسلط ہونے کے بعد وہ اعلیٰ صفات جلوہ نگن ہوں گی جو جوہر انسانیت ہیں۔ اور یہ پیکر انسانی جو ہر قوت و طاقت سے مرعوب ہے اور ہر صاحب حکومت و ثروت کے سامنے سرنگوں اور سربسجود ہونے کو تیار ہے اپنی معمولی معمولی حاجات کی خاطر دوسرے انسانوں کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا ہے اور ہر قسم کی ذلت وخواری کو برداشت کرتا ہے۔ ان سب بندھنوں سے آزاد و بے نیاز ہوگا۔ اور جب ہر انسان کو اپنی طرح محتاج، ضرورت مند اور بے بس پائے گا تو سب سے اپنی توقعات کو ہٹا کر اس مالک الملک کے ساتھ تعلق پیدا کرے گا۔ جس کے قبضہ میں سب کچھ ہے۔

مشہور ہے کہ اکبر بادشاہ کے دربار میں ایک گنوار کوئی حاجت لے کر آیا۔ اس وقت بادشاہ خدائے قدوس کی بارگاہ میں سربسجود تھا اس شخص نے دریافت

کہا کہ بادشاہ یہ کیا کر رہا ہے؟ کسی نے جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی حاجات پیش کر رہا ہے۔ وہ گنوار فوراً واپس ہو گیا اور کہا جو شخص خود حاجتمند ہے اور دوسرے کا محتاج ہے اس سے حاجت روائی فضول ہے۔

غرض عزت نفس اور جذبہ حریت و آزادی اور شان استقلال جو انسانیت کے اصلی جوہر ہیں کمال کے ساتھ انسان میں نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اور بنی نوع انسان سے امیر و غریب حاکم و محکوم آقا و غلام کا امتیاز اٹھ کر حقیقی مساوات قائم ہو جاتی ہے اور فوقیت و برتری صرف اس شخص کو ہوتی ہے جو سب سے زیادہ خدا کا فرمانبردار ہو۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ تحقیق عزت اللہ کے یہاں اسی کو ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

اس کے ساتھ ساتھ شجاعت۔ جرأت۔ ہمت، اطمانیت قلب وغیرہ صفات کمال انسان میں پیدا ہو جاتی ہیں اور خوف و ہراس جزع و فزع حیرانی و پریشانی جیسی صفات قبیحہ دور ہو جاتی ہیں۔

جس انسان کو خدا کی ذات پر بھروسہ ہوگا اس میں دلیری اور ہمت و جرأت ہوگی اور حوصلہ بلند ہوگا خیالات میں پرواز ہوگی۔ اور جس کو اپنے نفس پر بھروسہ ہوگا اسکی ہمت بھی پست ہوگی۔ حوصلہ بھی پست ہوگا۔ جرأت بھی مفقود ہوگی۔

یہ سب مادی منافع ہیں جو محسوس ہوتے ہیں۔ اس عقیدہ کے راسخ ہونے کے بعد جو روحانی ترقی اور عروج حاصل ہوتا ہے اس کا احساس انسانی عقل و فہم سے بالاتر ہے۔ یہی وہ روح تھی جو قرون اولی کے مسلمانوں کے قلوب میں کامل طور پر سرایت کر گئی تھی۔ پھر جو کچھ حیرت انگیز واقعات ان سے سرزد ہوئے وہ اس عقیدے کے

ادنیٰ کرشمے تھے۔

اس کلمہ کا دوسرا جز محمد رسول اللہ ہے یعنی سردار دوجہاں خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کا اقرار کرنا۔ ان کی بتلائی ہوئی باتوں کو سچ اور حق تسلیم کرنا۔ اور اس کے مطابق زندگی گذارنا۔

نبوت ورسالت

نبوت کا مفہوم یہ ہے کہ خداوند عالم کی جانب سے کسی ممتاز ہستی کے ذریعہ بنی نوع انسان کی اصلاح کرنا تاکہ انسان سکون واطمینان کی زندگی بسر کرسکے اور تیزی کے ساتھ ترقی اور کمال کے مدارج طے کرسکے۔

نبی اور رسول کی شناخت

نبی کی شناخت اور تصدیق کے لئے دو قسم کی دلیل ہوتی ہے ایک حسی جس کو "معجزہ" کہتے ہیں۔

ہر وہ کام جو کسی مدعی نبوت سے خلاف عادت سرزد ہو معجزہ کہلاتا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردہ کو زندہ کرنا۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی کا سانپ بن جانا۔ اس قسم کے معجزات کو دیکھ کر عوام نبی کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں۔ اور اس قسم کی باتوں کے طلبگار وہی لوگ ہوتے ہیں جو عقل وفہم سے کورے ہوتے ہیں۔ عناد اور تعصب کا پردہ ان کی عقلوں پر پڑا ہوتا ہے۔ جو لوگ محض نادانی سے گمراہی اور شک میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ان کے لئے یہ معجزات ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اور جن میں تعصب اور عناد کا جذبہ بھرا ہوتا ہے۔ ان کے لئے یہ بھی بے کار ثابت ہوتے ہیں۔ اور صرف اتمام حجت کا کام دیتے ہیں۔

دوسری دلیل عقلی ہو جس کو اہل بصیرت اور صاحب عقل و دانش تسلیم کرتے ہیں اور وہ نبی کے اطوار زندگی کا اعلیٰ معیار پر ہونا۔ اس کی تعلیمات کا موثر سہل اور مطابق فطرت ہونا۔ اس کے اصول تربیت کا موافق عقل ہونا۔ اس کے تبلائے ہوئے علوم و معارف کا انسانی فہم و ادراک سے بالاتر ہونا۔ اس کا تمام امور کو مضبوط دلائل سے ثابت کرنا۔ پھر اس کی تعلیم و تربیت کا حیرت انگیز اثر۔

یہ سب وہ امور ہیں جن سے ایک سمجھہ دار فوراً معلوم کر لیتا ہو کہ اس نبی کا دعویٰ نبوت سچ ہے اور بے شک و شبہ خُدا کا رسُولؐ اور قاصد ہے۔ جو کچھ کہتا ہے سب خدا کے حکم سے کہتا ہو۔ اور جو کچھ کرتا ہے سب اسی کے حکم سے کرتا ہے۔ عقل و شعور والے کی رہبری کے لئے یہ دلیل کافی ہے۔ اسی جانب اس آیتہ میں اشارہ ہے۔

اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝	کیا ان کے لئے یہ کتاب کافی نہیں جو ہم نے تم پر نازل کی اور ہر وقت ان کے سامنے تلاوت کی جاتی ہے بے شک اس میں رحمت اور یاددہانی ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

جبکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار ہیں۔ اور رسالت و نبوت کے سلسلہ کو انپر ختم کر دیا گیا ہے اور ان کے اتباع اور پیروی کے سوا فلاح و بہبود کے تمام راستوں کو بند کر دیا گیا ہے تو ہمارے لئے یہ کافی ہو کہ ہم ان کے حالات اور تعلیمات پر نظر کر کے ان کی تصدیق اور پیروی کریں۔

اس ایک ہستی کی تصدیق اور پیروی سے تمام انبیار کی تصدیق اور پیروی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ اس رسول کریم نے جہاں اور نبیوں کی تعلیم و تربیت کو کمال تک پہنچایا ہے وہاں تمام انبیار کرام کی رسالت اور نبوت کی تصدیق بھی کی ہے۔ تو گویا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور پیروی ہر نبی کی تصدیق اور پیروی کے مرادف ہے۔ اور ان کی تکذیب تمام انبیار کی تکذیب شمار ہو گی۔

رسُولِ خُدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی پر نظر ڈالنے سے پہلے اگر اس وقت کی عرب کی جہالت کا اجمالی نقشہ ذہن نشین کر لیا جائے تو آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ اس مقدس ہستی کے کمالات کا کیسے احاطہ ہو سکتا ہے؟ جس نے اس قدر پست قوم کو بام ترقی پر پہنچایا۔ اور ان جاہل افراد کو اس قدر مادی اور روحانی کمالات سے آراستہ کیا کہ ان میں سے ہر شخص کامل اور مکمل اور مقتدا اور پیشوا بن گیا۔ رسُولِ خُدا کا ارشاد ہے۔

اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اهتدیتم — میرے صحابہ تاروں کے مانند ہیں جس کی بھی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

یہ کوئی اپنی منہ بولی بات نہیں بلکہ اس روشنی اور آزادی کے زمانہ میں بھی عقلار فرنگ اس بات کے ماننے پر مجبور ہو گئے کہ نہ صرف رسُولِ عربی بلکہ ان کے ہر صحبت یافتہ ساتھی کی زندگی ان کے اقوال و اعمال ان کے حرکات و سکنات انسان کی رہبری کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔ صحابہ کرام کی شان تو بہت اونچی ہے۔ آج دنیا انکے ادنیٰ کفش بردار کی ہمسری کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتی۔

اثباتِ نبوت

ریگستانی علاقہ میں چند بدوی قبائل آباد ہیں۔ جو تہذیب و تمدن سے دور۔ مدنیت اور شہریت سے ناواقف۔ علوم و معارف سے ناآشنا۔ ان میں ایک شریف النسب عالی خاندان میں ایک ہونہار جلوہ افروز ہوتا ہے جو باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوتا ہے۔ اور چند روز بعد ماں کی آغوشِ محبت سے بھی محروم ہو جاتا ہے اور غیروں کے ہاتھوں پرورش پاتا ہے جس کا کھلا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس تعلیم و تربیت سے بھی ناآشنا رہتا ہے جو اس بدوی علاقہ میں رائج تھی۔ مگر مہ پارہ روز بروز بڑھتا ہے خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ بڑھتا ہے۔ دنیا مافیہا سے بے خبر رہتا ہے لیکن اپنے مالک اور خالق کو پہچانتا ہے۔ اور ہر وقت اسی کے سامنے سرنگوں اور شرمسار رہتا ہے۔ اسی حالت میں چالیس سال کا طویل عرصہ گزر جاتا ہے۔ اور جب وہ ماہ کامل بن جاتا ہے تو مالک اور خالق کی تجلیات جلوہ فگن ہوتی ہیں اور اس خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ بسر اوقات کرنے والے ماہتاب کو حکم ہوتا ہے کہ عالم میں رشد و ہدایت کی روشنی پھیلاؤ۔ مخلوق میں خالق کی معرفت پیدا کرو۔ بھٹکے ہوؤں کو راہِ راست پر لاؤ۔ اور رأفت و حکمت کے ساتھ دلائل اور براہین کی قوت سے مالک اور خالق کی حکومت روئے زمین پر قائم کرو۔ اور مخلوق کی فلاح اور ترقی کے لئے ہمارے بتلائے ہوئے دستور العمل کو دنیا میں رائج کرو اب تم اس شخص کی بے بسی اور بے کسی پر نظر کرو اور اس کام کی دشواری اور اس راہ کی ناہمواری پر غور کرو مگر یہ خدا کا بندہ خدا کے حکم کے سامنے سرِ نیاز تسلیم کرتا ہے۔ اور بہ بانگِ دہل ندا لگاتا ہے

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یہ آواز زبان سے نکلی تھی کہ سب دشمن ہو گئے۔ اپنے بیگانے ہو گئے۔ مونس غمخوار دشمن خونخوار بن گئے۔ مگر وہ بالکل نہ گھبرایا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں موعظت و حکمت اور علوم و معرفت سے بھری ہوئی ایک کتاب پیش کی جس میں ترقی اور فلاح کی ایک شاہراہ بتلائی گئی اور صلاح و فلاح کی ساری باتیں کھول کھول کر بیان کی گئی۔

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ	یہ کتاب اس میں شک کی گنجائش نہیں رہنما ہے ان لوگوں کے لئے جو خدا سے ڈرتے ہیں۔
تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ	یہ کتاب نازل کی ہوئی ہے اللہ عزت و حکمت والے کی جانب سے۔
اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ	ہم نے حق کے ساتھ اس کتاب کو آپ کی طرف نازل کیا ہے سو آپ خالص اعتقاد کرکے اللہ کی بندگی کریں۔

یہ خدا کا بھیجا ہوا قاصد ان لوگوں میں پیدا ہوا جو علوم و معارف سے بالکل بیگانہ تھے اس دیار میں ظاہر ہوا جہاں جہالت و ضلالت کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھی نہ وہاں کوئی ایسا شخص موجود تھا جس سے علم و معرفت کی روشنی حاصل کی جا سکتی نہ وہاں کبھی کوئی ایسا عالم آیا جس سے اس علم و حکمت کے حاصل کرنے کا شائبہ ہو نہ کبھی بیرونی دنیا کا کوئی ایسا سفر کیا جس سے یہ شبہ ہو سکے کہ کسی دوسرے شخص سے یہ حقایق اخذ کئے ہوں صرف دو مرتبہ شام کا سفر کیا، گئے اور آئے اتنی قلیل مدت میں کس طرح اس قدر علوم حاصل کئے جا سکتے ہیں۔؟ ایسا شخص جس نے کبھی علم و معرفت کی فضا

نہ دیکھی ہو۔ کبھی کسی سے علم و معرفت کا سبق نہ پڑھا ہو۔ نہ کبھی کسی باکمال کی صحبت میں بیٹھا ہو ایسے جاہل خطہ اور ایسے جاہل لوگوں میں پیدا ہوا جن کی جہالت زبان زد ہو اور چالیس سال تک دوسروں کی طرح خود بھی ہر بات سے بیگانہ رہے پھر ایکدم علوم و حقائق کا درس شروع کرے اور ایک ایسی کتاب پیش کرے جس میں خالق کی ذات و صفات کی معرفت۔ معاش و معاد کا پورا بیان۔ اگلے اور پچھلے واقعات۔ زندگی گذارنے کا مکمل دستور العمل۔ انفرادی اور اجتماعی ترقی کا راستہ اس تفصیل اور خوبی کے ساتھ بیان کیا گیا ہو کہ ساری دنیا ملکر اس کا مثل بنانے سے عاجز ہو جائے اور ساڑھے تیرہ سو برس کا طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود آج تک کوئی فرد یا جماعت موافق یا مخالف اس کا ہم مثل نہ بنا سکے۔

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورۃ اس جیسی (البقرہ رکوع ۳)

اب ہر سلیم الطبع سمجھدار انسان خود سمجھ سکتا ہے کہ ان حالات میں ایسے شخص سے ایسا کلام جب ہی صادر ہو سکتا ہے جبکہ اسکو براہ راست مالک اور خالق کی طرف سے اس کی تعلیم اور تلقین کی گئی ہو اور لفظ بہ لفظ اور حرف بہ حرف پڑھایا گیا ہو۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا

یہ باتیں منجملہ غیب کی خبروں کے ہیں کہ ہم بھیجتے ہیں تیری طرف، نہ تجھ کو ان کی خبر تھی اور نہ تیری قوم کو اس سے پہلے

مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِیَمِیْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ

تو پڑھتا نہ تھا اس سے پہلے کوئی کتاب اور نہ لکھتا تھا اپنے داہنے ہاتھ سے تب تو البتہ شبہ میں پڑتے یہ جھوٹے۔

جب اس نبی کریم کی ذاتی عادات اور خصائل پر نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے۔

(۱) کبھی آپ نے جھوٹ نہیں بولا۔ نہ کسی پر افترا اور بہتان باندھا۔ آپ کی امانت دیانت راستبازی کے مخالف بھی ہمیشہ معترف رہے۔

(۲) کبھی آپ سے خلاف عقل وفطرت کا کوئی کام سرزد نہیں ہوا۔

(۳) کبھی آپ نے گھبرا کر راہ فرار اختیار نہیں کیا۔

(۴) آپ اپنے رفقاء اور ساتھیوں کے بے حد قدردان تھے اور ہر ایک کے ساتھ رحمت وشفقت اور محبت وعزت کا برتاؤ کرتے۔

(۵) دنیا اور دنیا کی چیزوں کی آپ کے قلب میں ذرا وقعت نہ تھی۔ آپ ریاست و حکومت بڑائی اور برتری سے بالکل بے زار تھے۔ جو کچھ مال ودولت آپ کے پاس آتا اپنے رفقاء پر صرف کرتے اور خود متوکلانہ زندگی بسر کرتے۔

(۶) آپ اہل ثروت اور دنیاداروں سے استغنا برتتے اور غریبوں اور مسکینوں اور محتاجوں کے ساتھ تواضع اور ہمدردی اور غمگساری سے پیش آتے۔

(۷) ابتداء سے لیکر انتہا تک نہ آپ نے اپنے جاں نثاروں کے ساتھ حکومت اور بڑائی کا برتاؤ کیا اور نہ کبھی اپنے لئے کسی برتری کا خواہاں ہوئے اور ہمیشہ یہی فرماتے رہے۔ انما انا بشر مثلکم (میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں)

(۸) جن قوانین کو آپ دوسروں پر رائج کرنا چاہتے پہلے خود ان پر عمل کرتے۔ پھر دوسروں سے ان کی پابندی کراتے۔

(۹) جو راستہ اور جو طریق زندگی آپ نے ایک دفعہ اختیار کیا آخر تک اُس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہے اور کیسر مو اس میں کبھی فرق نہ آیا۔

(۱۰) آپ کا ہر وقت خداوندہ عالم کے خوف وخشیہ میں گزرتا اور سب سے زیادہ پروردگار کی اطاعت اور بندگی کرتے اور اس کی مخلوق کی تعلیم وتربیت صلاح وفلاح اور خیر خواہی میں منہمک رہتے۔

یہ اس جامع کمالات کی چند خصوصیات کا نمونہ ہے۔ جب ایک مقدس ہستی میں یہ اوصاف کمال کے ساتھ موجود ہوں اور وہ کوئی دعویٰ کرے تو اس کی صداقت اور حقانیت میں بالکل شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اب چونکہ ہمیں اس رسول کی صداقت اور حقانیت کا پورا یقین ہوگیا اور اس کی بتلائی ہوئی باتوں پر کامل اعتماد اور بھروسہ ہوگیا تو اس کی لائی ہوئی کتاب کی تعلیمات پر ایک نظر ڈالنی ضروری ہے۔

اس کتاب مقدس کے مطالعہ سے ہمیں چند باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

(۱) اس کتاب مقدس کی تمام تعلیمات نہایت اعلیٰ اور فطرت انسانی کے موافق ہیں۔ جو بھی تعلیم انسان کو دی جاتی ہے اس کی طبیعت اور فطرت کے موافق دی جاتی ہے اور عقلی دلیلوں سے اس کی خوبی اور بھلائی کو دلنشیں کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کے منافع اور نقصانات کو کھول کھول کر بیان کر دیا جاتا ہے چونکہ یہ تعلیم فطرت انسانی کے موافق ہے۔ اس لئے قابل عمل اور سہل ہے۔ اور ہر انسان جس کی طبیعت میں سلامتی اور فطرت میں صلاحیت اور استعداد ہے بہت جلد اس کو قبول کر لیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ — قائم رکھ اپنا رُخ دین پر یکسو ہو کر یہ وہ فطرت ہے جس پر بنایا لوگوں کو۔ نہیں ہے تبدیلی

لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ — اللہ کی فطرت کو یہی ہی طریقہ سیدھا ولیکن اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔

(۲) اس کتاب مقدس کی تمام تعلیمات نہایت سہل اور انتہائی جامع ہیں۔ سہل اس قدر کہ ہر عامی ان سے فیضیاب ہو سکتا ہے اور جامع اس قدر کہ کوئی فرد یا جماعت یا قوم آج تک اس کے علوم و معارف کا احاطہ نہ کر سکی۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ — اور ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن سمجھنے کو پھر ہے کوئی سوچنے والا۔

(۳) اس مقدس کتاب کی تعلیم و تربیت کسی خاص قوم یا خاص ملک یا خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ آسمان کے نیچے بسنے والے تمام انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے یہ کتاب نازل کی گئی اس لئے اس کا طریق تعلیم و تربیت ایسا معتدل اور مناسب ہے کہ کسی وقت اور کسی حال اور کسی زمانہ میں کوئی فرد یا قوم یا کسی ملک کے بسنے والوں کے لئے اس پر عمل کرنا دشوار نہیں۔

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ — یہ کتاب نہیں کوئی شک اس میں ہدایت ہے ڈرنیوالوں کے لئے۔

(۴) یہ مقدس کتاب محض چند مذہبی رسومات اور تفکرات کا مجموعہ نہیں بلکہ زندگی گزارنے کا کامل ترین دستور العمل ہے اور ترقی اور کمالات کے حاصل کرنے کا مکمل ضابطہ ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں انسان کی پوری پوری رہبری اور رہنمائی کرتا ہے اور فرد اور جماعت دونوں کی ترقی اور خیر خواہی کو مدنظر رکھ کر ایسے قوانین اور ضابطے مقرر کئے ہیں جن پر عمل کرنے سے بنی نوع انسان کی انفرادی اور

اجتماعی زندگی کمالات سے آراستہ و پیراستہ ہو کر شاہ راہ ترقی پر گامزن ہو۔
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ کامل کر دیا تمہارے لئے تمہارے دین کو اور
عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ پورا کر دیا تم پر اپنی نعمت کو اور پسند کر لیا تمہارے
الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔ لئے دین اسلام کو

اس انوکھی تعلیم و تربیت کی بدولت نصف صدی کے اندر اندر دنیا میں جو انقلاب عظیم پیدا ہوا اور انسانیت کو جو ترقی اور عروج نصیب ہوا وہ اپنی آپ ہی نظیر ہے اور اس دستور العمل کے مجرب اور کامیاب ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

اسلام کا دوسرا رکن

"نماز"

تمہارے پاس جو کچھ بھی ہے حتیٰ کہ تمہاری جان تمہارے ہاتھ پیر، آنکھ کان ناک حواس عقل و شعور غرض کوئی بھی شے تمہاری اپنی ایجاد نہیں بلکہ غیر کی عطا کی ہوئی ہے۔ جس مولائے کریم نے تمہیں سب کچھ عطا کیا اس کے بیشمار انعامات اور احسانات کا مقتضی یہ تھا کہ تم چوبیس گھنٹے ہر آن ہر لمحہ اسکی رضا و خوشنودی اور وفاداری و فرمانبرداری میں سرگرم رہو اور ہر وقت اسکے دربار میں حاضر باش اور خدمت کے لئے مستعد اور تیار رہو اور کوئی لمحہ غفلت

ولاپرواہی میں نہ گزارو۔ جب تم کسی شخص کو چند روپیہ ماہوار پر ملازم رکھتے ہو تو اس سے کس قدر مستعدی فرض شناسی وفاداری۔ جاں نثاری۔ اطاعت وفرمانبرداری۔ حاضر باشی کے خواہاں ہوتے ہو۔ اور ذرا ذرا کوتاہی پر کس قدر بازپرس کرتے ہو۔ اور بگڑتے ہو۔ حالانکہ تم خود اپنی ضروریات پورا کرنے میں ملازم کے محتاج ہو۔ اور یہ اس کا بڑا کرم ہے کہ اس نے چند سکوں کے عوض اپنی جان عزیز تمہارے حوالہ کر رکھی ہے۔ پھر وہ پروردگار عالم جسکی تم مخلوق ہو مملوک ہو۔ اور سراپا شرمندہ احسان ہو ہر وقت اس کی گوناگوں نعمتوں سے سرفراز ہو وہ مالک حقیقی اگر تم سے بھی ہر وقت کی حاضرباشی مستعدی وجاں نثاری فرض شناسی اور وفاداری اطاعت وفرمانبرداری کا خواہاں ہو تو اس میں کیا استبعاد ہے؟ اور تم سے تمہاری کوتاہی پر باز پرس کی جائے تو تمہارے پاس کیا عذر ہے؟ لیکن خداوند کریم بڑے لطف وکرم اور رحمت وشفقت والا ہے اس نے تمہاری ہر وقت کی ذمہ داری کو ہلکا کر دیا اور شب وروز میں صرف پانچ مرتبہ اپنے دربار کی حاضری کا وقت مقرر فرما دیا تاکہ تم ہر وقت کی پابندی سے آزاد بھی ہو جاؤ۔ اور دنیاوی مشاغل میں پھنس کر اپنے مالک سے غافل نہ بن جاؤ۔ اور جو اپنے مولا کی اطاعت اور فرمانبرداری کی ذمہ داری تم نے اپنے سر رکھی ہے اس کی صلاحیت اور استعداد اچھی طرح پیدا ہو جائے۔ اور مسلمان ہونے کی حیثیت سے جن باتوں کا تم نے اقرار کیا ہے ان کی یاددہانی بھی ہو جائے۔ اور اس کے ساتھ تمہیں اپنے مولا سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا رہے۔ اور اپنی معروضات

کے پیش کرنے کا موقع ملتا رہے۔

یہ مقصد کوئی معمولی مقصد نہیں اور بارگاہ خداوندی میں حاضر ہونا اور ہمکلامی کا شرف حاصل کرنا اور اپنی معروضات کو پیش کرنا کوئی ادنیٰ معرکہ نہیں کہ سہولت کے ساتھ طے کر لیا جائے۔ اس کے لئے سب سے پہلے ایک پاک وصاف جگہ منتخب کی گئی جس کو "مسجد" کہتے ہیں۔ پھر ایک منادی مقرر کیا گیا کہ وقت مقررہ پر اللہ کے بندوں کو اس کی بارگاہ میں بلائے۔ اور جب پاک وصاف ہو کر سب جمع ہو جائیں تو جو شخص خدا ترس اور خدا رسیدہ ہو وہ سب کو غلاموں اور چاکروں کی طرح سیدھی صف میں کھڑا کرے اور خود ان کی رہبری اور رہنمائی کے لئے آگے کھڑا ہو اور دنیا و ما فیہا کے خیالات کو دل سے نکال کر آئینہ دل کو فاطر ارض وسما کے سامنے رکھے تاکہ براہ راست تجلیات خداوندی جلوہ فگن ہوں۔ اور خدا کی عظمت و بزرگی کا اقرار کرتے ہوئے دونوں جہان سے دست بردار ہو کر دست بستہ مالک حقیقی کے سامنے کھڑا ہو جائے اور خدا کی حمد و ثنا بیان کرے خدا کی خدائی اور ربوبیت کا اعتراف کرے اپنی بندگی اور بیچارگی کا اقرار کرے اور اس سیدھے راستے پر چلنے کی آرزو کرے جو پروردگار عالم نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کیا ہے اور ان راستوں سے پناہ مانگے جو اس کے نامرضی اور ناپسند ہیں اور اس کے بتلائے ہوئے راستے اور مقرر کئے ہوئے قانون کو دل سے قبول کرے اور حسب استطاعت زبان سے اس کی تلاوت کرے۔ پھر اس کی عظمت و بڑائی کا دھیان اور اقرار کرتے ہوئے اس کے سامنے سر کو جھکائے گویا تم نے اس قانون کو قبول

کر لیا اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا بوجھ اپنے سر پر رکھ لیا۔ اور خدا کی خدائی اس کی بزرگی اور بڑائی کا بار بار اقرار کرے۔ پھر خدا کا شکر ادا کرتا ہوا کہ اسکی حمد و ثنا اور معروضات کو سنکر قبول کر لیا سیدھا کھڑا ہو جائے اور اس نعمت عظیمہ کے شکر میں اللہ کی بزرگی اور بڑائی کا اقرار کرتے ہوئے سر کو اس کے سامنے زمین پر رکھ دے اور اس کی بزرگی اور بڑائی ربوبیت اور شہنشاہیت کا بار بار اقرار کرے پھر اس کی بڑائی اور بزرگی کا اقرار کرتے ہوئے سر کو سجدے سے اٹھائے گر یہ سر بنایا اسی لئے ہے کہ اس کو معبود کے سامنے ذلیل و خوار کیا جائے اس لئے پھر معبود کی بزرگی اور بڑائی کا اقرار کرتے ہوئے سر کو زمین پر رکھ دے۔ اور معبود کی بزرگی اور برتری اور ربوبیت اور شہنشاہیت کا بار بار اقرار کرے۔ اسی طرح اوّل سے آخر تک چندبار کرے تاکہ دل و دماغ مالک کی ہیبت و جلال عظمت و بزرگی سے معمور ہو جائیں۔ اور اپنی غلامی اور بندگی کا سکہ دل و دماغ پر جم جائے اور جن چیزوں کا بار بار اعتراف اور اقرار کیا ہی وہ اس حد تک دل میں گھر کر جائیں کہ اس کے آثار ظاہر سے نمایاں ہونے لگیں۔ یہ مومن کی معراج ہے۔ اسی کو نماز کہتے ہیں۔ جس کی پوری کیفیت اور ترکیب فقہ کی کتابوں سے معلوم ہوگی۔ یہی وہ طریقہ ہے جب انسان اس کا خوگر ہو جاتا ہی تو پاکیزہ اخلاق اور اچھی عادت سے آراستہ ہو جاتا ہی۔ اور فحش اور گندی باتوں سے خود بخود بچنے لگتا ہی۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ بلا شک نماز فحش اور گندی عادتوں سے باز رکھتی ہے۔ اور یہی وہ راستہ ہے جس سے انسان حقیقی ترقی اور صلاح و فلاح حاصل کرتا ہی۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ

بیشک فلاح کو پہنچے وہ ایمان والے جو اپنی نماز میں جھکنے والے ہیں اور جو لغو بات پر دھیان نہیں کرتے۔

اب تم خود غور کرو جو انسان شب و روز میں پانچ مرتبہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہو اور ہمکلامی کا شرف حاصل کرتا ہو اور راز و نیاز کی باتیں کرتا ہو اس کو کس قدر گہرا تعلق اور وابستگی ملاء اعلیٰ کے ساتھ پیدا ہو گی؟ اور اس کی روحانیت میں کس قدر ترقی ہو گی؟ اور اس کی روح کو کس حد تک پرواز ہو گی؟ اس روحانی ترقی کی قدر و قیمت وہی شخص خوب سمجھ سکتا ہے جو اس لذت سے آشنا ہو۔ ؎

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بہ خاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

اور اس کے ساتھ ساتھ جو مادی اور ظاہری فائدے اس پر مرتب ہوتے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں۔ سکونِ قلب۔ اطمینانِ خاطر۔ مساوات اور یکجہتی۔ اتفاق و اتحاد باہم اخوت و ہمدردی۔ امیر کی اطاعت۔ اوقات کی پابندی۔ پاکیزگی اور صفائی۔ اخلاق کی درستی۔ تہذیب نفس۔ سیاسی تنظیم۔ تعلیم و تربیت کا اعلیٰ نظم یہ وہ امور ہیں جو نماز کے ساتھ خود بخود ظاہر ہوتے ہیں۔ بشرطیکہ نماز کو حضورِ قلب۔ طمانیت قلب غور و فکر کے ساتھ ادا کیا جائے گویا کہ تم خداوندِ عالم کے دربار میں حاضر ہو تم اس کے سامنے ہو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور تمہاری معروضات کو سن رہا ہے۔ پھر اس کے مناسب عظمت و ہیبت

شوق و رغبت ہو ادب و احترام ہو اور جو کچھ تم زبان سے کہہ رہے ہو۔ اس کو سمجھ رہے ہو۔ اور دل سے اس کا اعتراف و اقرار کر رہے ہو۔ اگر ایسا نہیں کیا اور غفلت اور بے توجہی کے ساتھ نماز کے ارکان پورے کر لیئے تو نماز ضرور ادا ہو جائے گی اور بلا شک فرض خداوندی ذمہ سے ساقط ہو جائیگا۔ لیکن ان ترقیات اور کمالات سے کس طرح سرفراز ہو سکتا ہی جو حقیقی نماز کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اور ان ثمرات اور منافع سے کیسے متمتع ہو سکتا ہی۔ جو نماز سے مقصود ہیں۔ تم خود تبلاؤ کہ اگر تم کسی امیر کی مجلس میں جاؤ اور آداب مجلس بجا نہ لاؤ اور غفلت و مدہوشی میں مجنونانہ حرکات کرنے لگو۔ تو وہ امیر تم سے خوش ہوگا یا ناخوش؟۔ اور تم لائق انعام و اکرام ہو یا سزاوار عتاب و سرزنش؟ اور اگر وہ امیر اس بے ادبی اور گستاخی پر مواخذہ اور تنبیہ کرے تو حق بجانب ہے کہ نہیں؟ میرا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ یہ ظاہری نماز بے کار ہے حاشا و کلاّ یہ کہنے والا اور سمجھنے والا دونوں مجرم اور سخت مجرم ہیں ملحد و بے دین ہیں۔ قابل عتاب و سرزنش ہیں۔ اس لئے کہ نماز کی حقیقت میسر کب آ سکتی ہی۔ جب تک کہ اس ظاہری صورت کی پابندی نہ کی جائے ظاہر سے حقیقت کی طرف رجوع ہوتا ہی جب ظاہر ہی مفقود ہوگا۔ تو حقیقت سے کیسے ہمکنار ہو سکتا ہی؟ میرا مقصد یہ ہے کہ دل پر سے غفلت و نادانی کے پردوں کو ہٹایا جائے اور دل میں رب عظیم کی محبت و عظمت کا جذبہ پیدا کیا جائے اور نماز کو ایسی طرح ادا کیا جائے جس سے حقیقت کی طرف رہبری ہو تا کہ ان کمالات سے آراستہ ہو جو نماز کا خاصہ ہیں۔ اور

ان ثمرات سے بہرہ ور ہو جو نماز پر مرتب ہوتے ہیں اور اگر یہ ظاہری نماز ترقی کی جانب رہنمائی نہ کرے اور اس پر کوئی بہتر ثمرہ مرتب نہ ہو سکون و طمانیت حاصل نہ ہو روحانیت میں زیادتی نہ ہو تو یہ نماز کا قصور نہیں قصوروار وہ شخص ہے جس نے نماز کو بے طرح غفلت اور بے توجہی کے ساتھ ادا کیا۔ اگر کوئی ہوشیار تجربہ کار طبیب کسی مریض کے مرض کی اچھی طرح تشخیص کر کے اس کے لئے کوئی نسخہ تجویز کرے اور اس کا طریق استعمال اور ضروری ہدایات تبلادے لیکن مریض اس نسخہ کو غلط طریق پر استعمال کرے اور طبیب کی تبلائی ہوئی ہدایت کے خلاف کرے جس کی وجہ سے کوئی نفع نہ ہو تو یہ طبیب کی نادانی نہیں۔ نسخہ میں کوئی خرابی اور نقصان نہیں بلکہ اس شخص کے دماغ کا فتور ہے جس نے طبیب کی ہدایت کو نظر انداز کیا اور نسخہ کو غلط طریقہ سے استعمال کیا یہ شخص خود اپنے اس فعل کا ذمہ دار اور مجرم و خطاکار ہے۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ آداب و شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے نماز کو اچھی طرح ادا کیا جائے پھر اپنے عجز و قصور کا احساس کر کے ندامت و شرمندگی کے ساتھ اظہار معذرت کیا جائے۔ یہی اعتراف قصور اور ندامت و شرمندگی رفتہ رفتہ اس حقیقی نماز سے لذت آشنا بنا دے گی جو مطلوب و مقصود ہے۔

بندہ ہماں بہ کہ ز تقصیر خویش — عذر بدرگاہ خدا آورد
ورنہ سزاوارِ خداوندیش! — کس نتواند کہ بجا آورد

اسلام کا تیسرا۳ رکن

"زکوٰۃ"

اللہ رب العالمین کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کے لیئے مال و دولت میں سے چالیسواں حصہ اس کے مستحق بندوں کو دینا اور ضرورت مند کی ضرورت کو پورا کرنا شریعت میں اس کو "زکوٰۃ" کہتے ہیں۔ اور چالیسویں حصہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا "صدقہ وخیرات" کہلاتا ہے۔

ہر مالدار پر جو صاحب نصاب ہو زکوٰۃ کا دینا ضروری اور فرض ہے۔ اور صدقہ وخیرات اختیاری خیر ہے۔ اگر کرے گا تو اس کے اثرات اور خیر وبرکات پائے گا نہ کرے گا تو اس کے منافع سے محروم رہے گا۔

انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اپنا نہیں۔ بلکہ خالق جل جلالہ کی عطا اور بخشش ہے اس کی دی ہوئی نعمت ہے اور اسی کی ملکیت ہے۔ حتیٰ کہ خود انسان بھی اسی کا مملوک اور پروردہ غلام ہے اور جس دماغ سے یہ سوچتا ہے اور جن ہاتھ پیروں سے یہ کماتا ہے یہ اس کے خانہ ساز نہیں بلکہ اسی کے دیئے ہوئے کل پرزے ہیں۔ انسان تو صرف آلہ کار ہے اور غلامانہ حیثیت سے متصرف اور قابض ہے۔ اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ اور جو کچھ بھی تمہارے پاس نعمت ہی سو اللہ کی طرف سے ہے

اس کا تقاضہ یہ تھا کہ انسان اپنی ساری مال و دولت بے دریغ اپنے مالک کے حضور میں پیش کر دیتا اور یہی بندگی اور غلامی کا اصلی مقتضیٰ ہے۔ مگر مالک نے اپنے لطف و کرم سے سب کچھ اسی کو دیدیا اور اپنا تعلق قائم رکھنے کے لئے ایک معمولی سا حصہ مقرر کر لیا جو اس کے نام پر اس کے دوسرے مستحق بندوں کو دیدیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ بندہ پر اپنی حقیقت ہر وقت عیاں رہے اور کسی وقت اپنے کو مالک نہ سمجھنے لگے۔ یہی زکوٰۃ کا اصلی منشا ہے۔ جس سے ہر وقت مالک اور مملوک خالق اور مخلوق کا تعلق آشکارا ہوتا رہتا ہے اور انسان کو کسی وقت میں بھی اپنی ملکیت کا دعویٰ اور زعم پیدا نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ رب العالمین کا حکم ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاکُمْ	اے ایمان والو خرچ کرو ان چیزوں میں سے جو دی ہیں ہم نے تم کو۔

مالک کے دیئے ہوئے مال میں سے۔ اس کی راہ میں خرچ نہ کرنا ایک قسم کی بغاوت اور سرکشی ہے اور سراسر ہلاکت و بربادی ہے۔ حکم ربانی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ (بقرہ ع ۲۴)	اور خرچ کرو تم اللہ کی راہ میں اور مت ڈالو تم اپنے کو اپنے ہاتھوں تباہی میں اور خوب اچھی طرح خرچ کرو بے شک اللہ پسند کرتا ہے اچھی طرح خرچ کرنے والوں کو۔

انسان فرطِ محبت اور شدت تعلق میں اپنے محبوب پر اپنا جان و مال

سب قربان کرنا چاہتا ہے۔ یہی عشق و محبت کا طور و طریق ہے۔ اور عشاق کا شیوہ ہے عاشقانِ حق کے لئے جان کی قربانی روزہ قرار دیا گیا ہے اور مال کی قربانی کے لئے زکوٰۃ کو مقرر کیا گیا۔ پس معبود برحق کی خاطر مال کا کچھ حصہ مخلوق خدا پر خرچ کرنا گویا اس حقیر سرمایہ کو بارگاہِ رب العالمین میں پیش کرنا ہے۔ اور محبوب حقیقی کی خاطر قربان کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدقہ و خیرات اور مال زکوٰۃ فقیر اور محتاج کو نہیں دیا جاتا بلکہ شہنشاہ عالم کے حضور میں حقیر تحفہ پیش کیا جاتا ہے جس کو وہ اپنے لطف و کرم سے نوازتا ہے اور قبول فرماتا ہے اور مزید انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔

مال و دولت کی محبت یہی وہ زہریلا مادہ ہے جو محبت خداوندی کے حق میں سم قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ یہ مال و دولت ہی وہ شے ہے۔ جو اپنا گرویدہ بنا کر خالق اور مالک سے ناآشنا بنا دیتا ہے۔ اس زہر کا اصل تریاق زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات ہے۔ جس کے بغیر حقیقی سعادت نصیب نہیں ہو سکتی۔ ارشاد ربانی ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ

نہیں حاصل کر سکو گے تم اصل نیکی یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز سے جو تم کو پسند ہو۔

اپنی پسندیدہ چیز کو نکال کر دوسرے کے حوالہ کر دینا ہر چند کہ نفس پر شاق اور گراں ہوتا ہے۔ مگر نفس کی اصلاح اور درستی کے لئے اس کڑوی دوا کا پلانا ناگزیر ہے۔ تاوقتیکہ اس کڑوے پیالے کو نہ پلایا جائے گا دل کے اندرون سے مال و دولت کی محبت کا تنقیہ نہ ہوگا۔ اور اس حقیقی دولت سے محروم رہیگا۔

جو انسان کا اصلی کمال ہے۔

ایک محتاج کو ضرورت اور حاجت پیش آتی ہے اور بے اختیار اس کا دل اپنے خالق کی جانب متوجہ ہوتا ہے۔ یا از خود فضل ایزدی اس کے شامل حال ہوتا ہے تو اس کی ضرورت کو پورا کرنے کا داعیہ کسی انسان کے قلب میں پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اس کی ضرورت کو پورا کر دیتا ہے۔ دینے والے کے لئے یہ محض توفیق خداوندی اور سعادت سرمدی ہوتی ہے جس کے ثمرات مولیٰ کی رضامندی اور خوشنودگی کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ جو آخرت میں اجر عظیم کا ذریعہ ہوتا ہے۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَاَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِيْرٌ جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور خرچ کیا ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

ہر انسان کی طبعی خواہش اور عقلی تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کل کے لئے اپنے پاس کچھ ذخیرہ اور اندوختہ رکھے تاکہ بروقت ضرورت کام آئے اور وقت پر پریشانی نہ ہو۔ اصل ضرورت اور پریشانی کا وقت مرنے کے بعد ہوگا۔ جب آخرت کی زندگی شروع ہوگی۔ اور دنیا کا اندوختہ وہاں خرچ کرنا ہوگا۔ خود وہاں کوئی کسب اور عمل نہ ہوگا۔ جو کچھ انسان اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔ یہ آخرت کی زندگی کے لئے اندوختہ اور اصلی سرمایہ ہوتا ہے۔ پس ہر انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ میرا آخرت کا سرمایہ زیادہ ہو۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ کو اور غور کرے ہر شخص کہ کیا بھیجا ہے کل کے لئے۔

آخرت کے لئے بھیجا ہوا سرمایہ اگرچہ خدا کا عطا کیا ہوا ہی مگر وہ بے نیاز ہے اس نے اس سرمایہ کو بھیجنے والے کے لئے محفوظ رکھا ہوا ہی۔ اور اپنے ذمہ ایک قسم کا قرض سمجھا ہوا ہی جس کو ہزار ہا گنا زیادہ کرکے روز حشر وقت ضرورت دینے والے اور بھیجنے والے کے حوالہ کر دیا جائیگا۔ ارشاد ربانی ہی۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ اَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ	بے شک صدقہ دینے والے مرد اور عورتیں دے رہے ہیں اللہ کو قرضہ حسنہ جو بڑھا دیا جائے گا ان کے لئے اور ان کے لئے نفیس اجر ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ	کون شخص ہے جو دے اللہ کو قرض حسنہ تاکہ اس کو بڑھاتا چلا جائے اور اسکے لئے نفیس اجر ہے۔

جس سرمایہ کو اللہ رب العزت بڑھا سکے اس کی بڑھوتری کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے۔ پس جو شخص زکوٰۃ دیتا ہے اور صدقہ وخیرات کرتا رہتا ہے اس کی روح ہر وقت مطمئن اور شاداں رہتی ہے کہ عالم جاودانی کے لئے اس کے پاس بہت ذخیرہ موجود ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے تین درجے ہیں۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنا سب کچھ مالک حقیقی کی راہ میں اس کی خوشنودگی کی خاطر صرف کرے جو عاشقین صادقین کا شیوہ ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے۔ کہ کچھ مال اپنے پاس بھی وقت ضرورت کے لئے رکھے اور برابر راہِ مولیٰ میں بھی خرچ کرتا رہے۔ یہ متوسط درجہ ہے اور یہ بھی کامل ایمان والوں کو نصیب ہوتا ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ صرف زکوٰۃ مفروضہ کو ادا کرتا رہے۔ یہ بھی بسا غنیمت ہے اور عامہ مسلمین اور ضعفاءِ امت کا درجہ ہے۔

زکوٰۃ کے جو کچھ بھی منافع بیان کئے گئے۔ یہ رُوحانی ترقیات اور تجلیات ہیں۔ مادی بڑی منفعت یہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات تمام اقتصادی خرابیوں اور مشکلات کا واحد حل ہے۔

زکوٰۃ اور صدقہ وخیرات کے ذریعہ دولت صحیح تقسیم ہوتی رہتی ہے اور سرمایہ داری اور افراط زر کی نوبت نہیں آتی۔ کسی کے پاس حد اعتدال سے زیادہ روپیہ جمع نہیں ہوتا۔ مخلوق خدا میں کوئی بھوکا اور ضرورت مند باقی نہیں رہتا۔ ناداروں کی ساری ضروریات مالداروں کے ذمہ عائد ہو جاتی ہیں۔ اور ہر شخص کی خبر گیری اور حاجت روائی کا دوسرا شخص پُورا پُورا ذمہ دار ہوتا ہے بلکہ بسا اوقات دوسرے کو اپنے پر ترجیح دینی پڑتی ہے۔

جیسا کہ صحابہ کرام کی عادت تھی وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (اور ترجیح دیتے ہیں اپنی نفسوں پر اگرچہ ان کے لئے تنگی ہو) اگر آج دنیا اس نقش قدم پر آجائے تو یہ ساری خلفشار اور بے چینی جاتی رہے۔ امیر وغریب کا امتیاز مٹ جائے اور دنیا ہر ایک کے لئے بہشت کا نمونہ بن جائے ع

"بہشت آنجاست کہ آزارے نباشد"

اسلام کا چوتھا رکن

"روزہ"

صبح صادق کے طلوع سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے اللہ کی رضا کے لئے اس کے حکم کے ماتحت باز رہنا اس کو شریعت میں روزہ کہتے ہیں۔

انسان کو اللہ رب العالمین نے کھانے پینے کی گوناگوں نعمتوں اور لذتوں سے نوازا اور انواع واقسام کی کھانے اور پینے کی عمدہ عمدہ چیزوں کو عطا فرمایا تاکہ ان لذتوں سے آشنا ہو کر اپنے خالق مالک اور رازق کو پہچانے اور اس کی عطا کی ہوئی نعمتوں پر شکر گذاری اور قدردانی کے جذبات برانگیختہ ہوں۔ ارشاد ربانی ہے۔

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ — کھاؤ عمدہ عمدہ ہمارے دیئے ہوئے رزق کو

وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ — اور شکر ادا کرو اللہ کا۔

ان کھانے اور پینے کی لذتوں سے شکر گذاری اور قدردانی کے ساتھ متنفع ہونا ان کے ذریعہ ان کے پیدا کرنے والے کو پہچاننا اور دینے والے کی عظمت و شوکت کے سامنے سرنگوں ہونا سراسر عبادت اور عین بندگی ہے۔ اور ناشکری اور ناقدری غفلت اور مدہوشی کے ساتھ ان نعمتوں کا استعمال

کفر وطغیان اور سرکشی ہے۔ جو سخت ہٹ دھرمی اور بڑی زیادتی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

کھاؤ، اور پیو اور نہ حد سے تجاوز کرو بے شک اللہ ناپسند کرتا ہے حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔

اسی زیادتی سے بچانے کے لئے اور انسان کو حد اعتدال پر قائم رکھنے کے لئے روزہ مقرر کیا گیا۔ اور اس کو بندگی کا اعلیٰ معیار قرار دیا گیا۔ جس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کا کھانا پینا خواہشات نفسانی سے ہٹ کر یا حکم ربانی کی بجا آوری ہے۔ اگر کھانے کی اجازت کے وقت کھایا اور پیا اور جب کھانے پینے سے روک دیا تو رک گیا تو معلوم ہوا کہ اس کا کھانا پینا سب بندگی اور فرمانبرداری کے ماتحت ہے۔ نفس کی پیروی اور خواہش پروری سے پاک ہے۔ ورنہ وہ پرستارِ حق نہیں بلکہ ہوا پرست ہے۔ اور خواہشات کا بندہ ہے۔

اللہ رب العالمین نے انسان میں دو قوتیں رکھی ہیں۔ قوۃ بہیمیہ۔ قوۃ ملکیہ قوۃ بہیمیہ ہمیشہ خواہشات پرستی پر ابھارتی ہے اور حق پرستی سے غافل بناتی ہے۔ اور قوت ملکیہ اس کے برعکس حق پرستی پر ابھارتی ہے۔ اور خواہشات کی پیروی کو چھڑاتی ہے۔ اگر قوت بہیمیہ غالب ہوتی ہے تو شیطنت اور حیوانیت کا پورا غلبہ ہوتا ہے۔ اور خدا سے بے تعلقی ہوتی ہے۔ اور جب قوۃ ملکیہ غالب ہوتی ہے تو تمام ملکوتی صفات نمایاں ہوتی ہیں۔ انسانیت کا غلبہ ہوتا ہے اور

حق سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ پوری وابستگی ہوتی ہے۔ قوۃ بہیمیہ کو مغلوب اور قوۃ ملکیہ کو غالب کرنے کے لئے روزہ تریاق کا حکم رکھتا ہے۔ اور تیر بہدف علاج ہے روزہ سے انسان کی خواہشات نفسانی مضمحل ہوجاتی ہیں۔ اور قوۃ بہیمیہ کا زور اور جوش ٹھنڈا ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے قوۃ ملکیہ کو بڑھنے اور ابھرنے کے مواقع حاصل ہوجاتے ہیں۔ اور قوت و شوکت نصیب ہوتی ہے۔ اور ملاء اعلیٰ کے ساتھ کمال تعلق پیدا ہوجاتا ہے۔ اور عالم قدس کے ساتھ پورا ربط قائم ہوجاتا ہے۔ جو روح انسانی کی انتہائی پرواز ہے۔ اور انسانیت کا پورا عروج ہے۔

انسان کا اصلی کمال اور اصلی جوہر یہ ہے کہ وہ اپنی طبیعت پر پورا قابو یافتہ ہو اور اس کی طبیعت سراسر عقل کے تابع اور فرمانبردار ہو۔ مگر طبیعت انسانی ہمیشہ عقل کی فرمانبرداری اور محکومی سے بے زار رہتی ہے۔ اس لئے طبیعت کو قابو میں رکھنے اور اس کو عقل کے تابع بنانے کے لئے طبیعت کے خلاف امور پر نفس کو مجبور کرنا اور ان امور کو اختیار کرنا جو طبیعت پر شاق ہوں بہت ضروری ہے۔ سب سے زیادہ طبیعت کا رجحان کھانے پینے اور حفظِ نفس کی جانب ہوتا ہے۔ اور ان کو چھوڑنا زیادہ شاق ہوتا ہے۔ پس ان امور کو چھوڑنا طبیعت پر قابو یافتہ بنا دیتا ہے۔ اور انسان کو سراسر عقل کا محکوم کر دیتا ہے۔ پھر عقل اس کو بندگی کے اطوار سکھاتی ہے اور اس صراطِ مستقیم پر چلاتی ہے۔ جو انبیاء و صدیقین اور مقربین کی راہ ہے۔

روزہ کی وجہ سے جب خواہشات نفسانی کمزور ہوجاتی ہیں۔ اور طبیعت پر اچھی طرح قابو حاصل ہوجاتا ہے۔ تو گناہوں کا صدور نہیں ہوتا۔

اور روح انسانی کو فرشتوں کے ساتھ پوری مشابہت حاصل ہو جاتی ہے۔

انسان کو جب کسی سے شدید محبت ہوتی ہے اور غایت تعلق ہوتا ہے۔ تو اس کا طبعی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ محبوب کی خاطر کوئی سخت سے سخت جانفشانی کا کام کرے جس سے محبوب کے یہاں وقعت و قدر ہو۔ اس خواہش اور جذبہ کے ماتحت فرط محبت میں انسان سب کچھ کر گزرتا ہے اور بڑی سے بڑی مشقت کو بہ طیبِ خاطر برداشت کر لیتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات اس جذبہ میں اپنی جان تک قربان کر دیتا ہے۔ یہ عشق و محبت کا شیوہ ہے جس سے عاشقانِ حق بھی خالی نہیں ہوتے۔ اس فطری جذبہ کو پورا کرنے کے لئے پرستارانِ حق کے لئے روزہ مقرر کیا گیا۔ جس میں محبوب کی خاطر محنت و مشقت کی برداشت بھی ہے۔ اور کسی قسم کی ہلاکت اور مضرت بھی نہیں ہے۔ پس اللہ رب العالمین کی خاطر صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنا روح کی ایسی ریاضت ہے جو شیوۂ عاشقی بھی ہے اور جذبۂ بندگی بھی ہے۔

روزہ ذکر اللہ بھی ہے اور ذکر اللہ کی صلاحیت اور قابلیت بھی پیدا کرتا ہے۔ اور باطن کو صاف و شفاف کر کے اللہ رب العالمین کی تجلی گاہ بنا دیتا ہے۔ روزہ دن بھر کا مسلسل ذکر اللہ ہے۔ جس وقت سے انسان روزہ کی نیت کرتا ہے اسی وقت سے نفس کھانے اور پینے کا تقاضا شروع کر دیتا ہے لیکن دل برابر شام تک یہی کہتا رہتا ہے کہ اللہ کی اجازت نہیں۔ نفس اور قلب میں صبح سے شام تک یہی کش مکش جاری رہتی ہے مگر دل ہمت و استقلال کے ساتھ اللہ کی جانب متوجہ رہتا ہے اور نفس کو سرکشی اور طغیان کا موقع

نہیں دیتا۔ اگر ذرا بھی دل غافل ہو جائے اور حق تعالیٰ کو بھول جائے تو نفسانی خواہشات اس کے روزہ کو فاسد کر دیتی ہیں۔ اسی لئے روزہ کو صبر کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ — اور مدد طلب کرو صبر (روزہ) کے ذریعہ اور نماز کے ذریعہ۔

پس یہ صبح سے شام تک قلبی استحضار یہی اعلیٰ ترین روحانی اور قلبی ذکر ہے اور یہی روزہ کا مقصود ہے۔

نیز روزہ سے قوی نفسانیہ مضمحل ہو جاتے ہیں۔ شہوانی جذبات مغلوب اور مقہور ہو جاتے ہیں۔ اور باطن کی ساری گندگی اور نفس کی ساری خباثت دُور ہو جاتی ہے۔ اور قلب میں روشنی اور صفائی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے قلب دیگر اذکار الٰہی کو جلد قبول کرتا ہے۔ اور ان کی جانب از خود راغب ہوتا ہے بہ شوق و رغبت اس کو یاد الٰہی میں مشغول کرتا ہے۔ اور محبت خداوندی سے سرشار کرتا ہے۔

روزہ ادائے بندگی کے لوازمات میں سے ہے دیگر ادیان میں بھی اس کا وجود پایا جاتا ہے۔ اور سابقہ امتوں پر بھی اس کو فرض کیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ — اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسا کہ فرض کیا گیا۔ ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے۔

مگر جس شان سے اسلام نے روزہ کی تلقین فرمائی اور جو اعزاز مسلمان کو روزہ اور

ہوا وہ سب سے نرالا اور اعلیٰ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔
"میری امت کو رمضان کے بارہ میں پانچ مناقب عطا کئے گئے جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے۔"

اوّل جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ روزہ داروں کی طرف نظر رحمت فرماتے ہیں۔ اور جس کی جانب اللہ تعالیٰ نظر رحمت فرمادیں اسکو ہرگز عذاب نہ دیں گے۔ (جو غایت رحمت کا مقتضا ہے)

دوسرے روزہ داروں کے موہنہ کی بو اللہ تعالیٰ کے یہاں مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے (جو غایت محبوبیت کی نشانی ہی)

تیسرے فرشتے روزہ داروں کے لئے دن رات دعار مغفرت ورحمت کرتے ہیں۔ (جو غایت تقرب کی علامت ہی)

چوتھے۔ اللہ تعالیٰ جنت کو حکم فرماتے ہیں کہ خوب مزین اور آراستہ ہو جاتا کہ میرے بندے دنیا کی مشقتوں سے چھٹکارہ پاکر تیرے اندر خوب راحت محسوس کریں۔ (جو غایت اعزاز کی علامت ہی)

پانچویں رمضان کی آخری رات میں تمام روزہ داروں کی مغفرت کردی جاتی ہے۔ (جو آخری اکرام ہے) (ترجمہ از بیہقی)

روزہ کے تین درجے ہیں۔

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ روزہ کو توڑنے والی چیزوں کے کھانے پینے اور جماع سے باز رہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ روزہ کو توڑنے والی چیزوں سے بچے اور تمام

اعضا کو گناہوں سے بچائے رکھے۔ یعنی زبان کو جھوٹ، غیبت، بدگوئی سے محفوظ رکھے۔ اور آنکھ کو حرام دیکھنے سے باز رکھے۔ اور کان کو حرام سننے سے روکے اسی طرح تمام اعضاء کو نگاہ رکھے۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ پیٹ اور دیگر اعضا کی حفاظت کے ساتھ دل کی بھی حفاظت کرے اور دل کو فضول خیالات اور دنیوی وساوس سے فارغ کر کے اللہ رب العالمین کی یاد میں مشغول اور منہمک رکھے۔ یہ اصلی روزہ ہے جو وصالِ خداوندی اور قربِ الٰہی ہے۔

غرض روزہ ایک ایسی عظیم الشان عبادت ہے جو وصال خداوندی اور قرب الٰہی ہے۔ جس سے تمام ملکوتی صفات ابھرتی ہیں اور نفسانی خواہشات مٹتی ہیں۔ اور روح کو ترقی اور تجلی نصیب ہوتی ہے۔ اور ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ وابستگی نصیب ہوتی ہے۔ اور گناہوں کی تلافی ہوتی ہے۔ اور جو قوم روزہ کی عادی ہوتی ہے وہ برائیوں سے محفوظ رہتی ہے۔ اور محاسن سے آراستہ ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ روحانی ترقی کرتی رہتی ہے۔

یہ روزہ کے روحانی منافع ہیں۔ مادی فوائد جو روزہ سے حاصل ہوتے ہیں وہ بھی کچھ کم نہیں۔ محتاجوں اور بھوکوں کی ہمدردی اور ان کی ہمنوائی۔ رزق خداوندی کی شکرگذاری اور قدردانی۔ جسم کی صحت اور تندرستی۔ معدہ کا تنقیہ اور صفائی۔ نفس کی تہذیب اور شائستگی۔ اخراجات میں کمی۔ اور کفایت شعاری، ضبط نفس اور جفاکشی۔ طبیعت پر غلبہ اور حکمرانی وغیرہ وغیرہ۔

یہ وہ امور ہیں جو مادی حیثیت سے مستقل مقاصد شمار ہوتے ہیں لیکن

روزہ کے ضمن میں بے محنت و مشقت حاصل ہو جاتے ہیں۔

اسلام کا پانچواں رُکن

"حج"

اللہ رب العالمین نے جو ہر کون و مکان سے مستغنی اور بے نیاز ہے اور تمام کائنات پر جلوہ فرما ہے اپنے محبین اور عاشقین کی تسکین خاطر اور تطہیر باطن کے لئے وادی مکہ میں ایک گھر بنوایا اور اس کو "بیت اللہ" کا معزز لقب عطا فرما کر ہر نوع کے عز و جلال سے مشرف فرمایا۔ بیت اللہ کی زیارت کرنا اور طواف کرنا شریعت میں اس کو "حج" کہتے ہیں۔

حج انسانی رُوح کے لئے ایک ایسا اعلیٰ تریاق ہے کہ ایک دفعہ کرنا عمر بھر کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔ سابقہ تمام خرابیوں کو دور کر کے رُوح کی اس قدر اصلاح کر دیتا ہے کہ آئندہ اس میں کبھی کوئی بگاڑ اور خرابی پیدا نہیں ہوتی۔

اللہ رب العالمین کی رُوحانی اور نورانی مخلوق فرشتے آسمان پر "بیت معمور" کی زیارت اور طواف میں مشغول رہتے ہیں۔ اور اپنے مولا کی خوشنودگی

حاصل کرتے رہتے ہیں۔ انسان کو بھی اس سعادت سے محروم نہیں رکھا گیا۔ اور اسکے لئے بیت اللہ تعمیر کرایا گیا۔ تاکہ اس کے طواف اور زیارت کے ذریعہ انسان کو بھی اپنے مولیٰ کی رضا اور خوشنودی حاصل ہو اور انسانی روح کو فرشتوں کے ساتھ ایک گونہ مناسبت اور مشابہت پیدا ہو جائے۔

انسان جب فرطِ محبت سے بے قرار ہوتا ہے اور جذبہ شوق مضطرب اور بے چین کرتا ہے تو دیارِ محبوب میں تسکین ملتی ہے۔ اور دل کو قدرے قرار ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر عاشق صادق ہمیشہ دیوانہ وار کوچہ یار میں جاتا ہے اور محبوب کے گھر در سے لطف اندوز ہوتا ہے اور ایک خاص سرور وکیف اور نشاط محسوس کرتا ہے جس کا صحیح اندازہ وہی دل کرسکتا ہے جو لذّت آشنائے محبت ہو۔ اللہ رب العالمین کے عاشقوں کی تسکین خاطر اور سرور باطن کے لئے حج مقرر کیا گیا۔ جہاں پرستارانِ حق کی مضطرب اور بے چین رُوح کو سکون و قرار نصیب ہوتا ہے اور ایک خاص قسم کا کیف و سرور محسوس ہوتا ہے۔ یہ عشاق کا اجتماع ہوتا ہے۔ اور عشق و محبت کو دوبالا کرتا ہے۔ ؎

اجازت ہو تو اگر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سُنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہو گا

انسان کی رُوح کو اصل تعلق اپنے مالک اور خالق جل جلالہ کے ساتھ ہے دینوی مشاغل اور گھر و باہر کی مصروفیات کاروبار اور کھیت و کبار کی دیکھ بھال اہل وعیال کی خبر گیری اس تعلق میں مانع اور حائل ہوتے ہیں۔ اور محب و

محبوب کے درمیان حجابات ہیں۔ پس روح کا کبھی کبھی یہ تقاضا ہوتا ہے کہ ان درمیانی پردوں کو چاک کر دے اور تمام موانع کو دُور کر دے اور بالکل یکسو ہو کر داصل بہ حق ہو جائے اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لئے انسان بیت اللہ جاتا ہے اور وہاں ہر ماسوا سے یکسو ہو کر یادِ حق میں مشغول ہو جاتا ہے جو روح کو اس کے مطلوب اور مقصود سے ملاتی ہے اور اس کو پرواز اور ترقی عطا کرتی ہے۔

انسان جب بیت اللہ میں اپنے معبود کے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے وہاں کے اثرات اور برکات کو دیکھتا ہے۔ پروردگار کی بے شمار نعمتوں اور رحمتوں کا ظہور ہوتا ہے تو اس کی روح ان سب سے متاثر ہوتی ہے اور اپنی استعداد اور صلاحیت کی بقدر ہر ایک چیز سے حصہ حاصل کرتی ہے جو روح یہاں سے خالی گئی تھی وہ وہاں سے مالامال ہو کر لوٹتی ہے۔ اور بھرپور واپس آتی ہے۔

انسان کا فطری تقاضا ہوتا ہے کہ ان پیشوایان مذہب کے مآثر اور مشاہد کی زیارت کرے جن کے ذریعہ اس کو رشد و ہدایت نصیب ہوئی۔ پھر ان متبرک مقامات کی زیارت سے روح میں تازگی اور شگفتگی پیدا ہوتی ہے۔ اور جن مقدس ہستیوں کے یہ مآثر اور تبرکات ہیں۔ ان سے ایک گونہ تعلق اور لگاؤ ہو جاتا ہے۔ اور ایک خاص مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ مکہ مکرمہ میں سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور دیگر انبیاء کرام کے مآثر اور مشاہد ہیں جن کی زیارت سے روح کو تازگی اور شگفتگی نصیب ہوتی ہے اور سید الانبیاء المرسلین اور دیگر جلیل القدر انبیاء کرام کے ساتھ خصوصی

تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ اور ایک خاص مناسبت قائم ہو جاتی ہے۔ جو روح کے لئے بہت بڑی نعمت و فرحت ہے۔

سفر حج میں اللہ رب العالمین کی راہ میں مال و دولت بھی خرچ ہوتا ہے اور سفر کے مصائب اور مشکلات بھی برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ کے لئے عزیز و اقارب اہل و عیال دوست و احباب گھر اور باہر سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے۔ اور انسان جس قدر جان و مال کی قربانی کرتا ہے۔ اسی قدر بارگاہ خداوندی میں مقبول ہوتا ہے۔ اور اسی قدر تعلق خداوندی سے سرفراز ہوتا ہے۔

حج دربار رب العالمین کی حاضری ہے جہاں اپنے بندوں کو بلا کر انعامات اور اکرامات سے نوازا جاتا ہے اور خصوصی طور پر اعزاز اور احترام کیا جاتا ہے اور ان کی سابقہ خطاؤں کو معاف فرما کر اپنی رضا اور خوشنودگی کا پروانہ عطا کیا جاتا ہے۔ حج شہنشاہ عالم کا دربار خاص ہے جو مکہ مکرمہ میں سال میں ایک مرتبہ منعقد ہوتا ہے خوش نصیب ہے وہ شخص جو اس دربار عالی میں باریاب ہو گیا۔ اور محروم ہے وہ جو اس دربار کی حاضری سے محروم ہے۔

حج کے تین درجے ہیں۔

ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تمام مناسک حج فرائض اور واجبات اور مستحبات کو ادا کرے اور ممنوعات حج سے باز رہے۔

متوسط درجہ یہ ہے کہ اس دوران میں فسق و فجور اور بدگوئی سے بچے اور تمام اعضاء کو گناہوں سے محفوظ رکھے۔

اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ان ایام میں عشق خداوندی میں سرشار ذوق وشوق اور دیوانگی میں ڈوبا ہوا یادِ الٰہی میں مستغرق اور مست رہے۔ اور کسی ماسوا اللہ کے ہوش وحواس باقی نہ رہیں۔

یہ حج بیت اللہ کے روحانی منافع ہیں۔ حج کے مادی منافع بھی بہت اہم ہیں۔ ملّی اور قومی سالانہ اجتماع۔ اور تمام عالم کے مسلمانوں کی اہم کانفرنس۔ دیگر ممالک کے نمائندوں کے ساتھ روابط اور تعلقات۔ باہم اتفاق واتحاد۔ امیر وغریب شاہ وگدا میں مساوات۔ غربا اور امرا، اور مختلف طبقات کا اختلاط۔ صلحاء امت اور علماء ملت سے ملاقات اور استفادہ۔ دیگر ممالک سے واقفیت اور ان سے تجارتی معاملات۔ دوسری زبانوں سے واقفیت سپاہیانہ اور راہبانہ زندگی کی مشق۔ یہ وہ امور ہیں جن کے لئے قومیں مستقل جدوجہد کرتی ہیں لیکن سفرِ حج میں یہ خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں۔

یہ اسلام کے پانچ فرض ہیں جن کے رُوحانی اور مادی محاسن اور منافع کی جانب محض اجمالی اشارہ کیا گیا۔ اب جو شخص صرف ان پانچ ہی باتوں سے آراستہ ہوگا تم خود اندازہ کرو وہ ترقی کے کس اعلیٰ معیار پر ہوگا۔ اور کس رتبہ کا بلند مرتبہ انسان ہوگا۔ لیکن اسلام صرف ان پانچ ہی امور کا نام نہیں اسلام تو انسان کی پوری زندگی کو حاوی ہے اور زندگی کے ہر ہر شعبہ میں اور انسان کے ہر چھوٹے اور بڑے کام میں اس کی پُوری رہنمائی کرتا ہے اور ہر چھوٹے سے چھوٹے کام اور معمولی سے معمولی بات کو اس کی روحانی اور مادی ترقی کا اعلیٰ ترین ذریعہ اور وسیلہ بناتا ہے

یہ اسلام ہی کا کمال ہے کہ اس نے ہر مادی چیز کو حکم خداوندی کے ماتحت روحانی اور نورانی بنادیا۔ اور دارین کی ترقی اور فلاح وبہبودی کو ایک ساتھ حاصل کرایا۔ اور انسان کو وہ سعادت نصیب کرائی جس کا وہ اہل اور مستحق تھا۔

حقیقی سعادت

حقیقی سعادت اور اصلی ترقی اور اعلیٰ کمال یہ ہے کہ انسان کو اللہ رب العالمین کی معرفت ہو اور اپنے خالق اور مالک کے ساتھ پورا تعلق ہو۔ اور اس کی رضا اور خوشنودگی کی طلب ہو۔ جس شخص نے کائنات کے پیدا کرنے والے کو نہ پہچانا۔ اس سے زیادہ کورچشم بے بصیرت کون ہوسکتا ہے؟ اور جس شخص نے اپنے پروردگار اپنے خالق مالک سے بے تعلقی برتی اور اسکی رضا اور خوشنودگی کی طلب اور جستجو نہ کی اس سے زیادہ شقی اور بدبخت کون ہوسکتا ہے؟ اور جس نے اپنے پرودگار کو پہچان لیا۔ اور اس کی رضا اور خوشنودگی کو حاصل کرلیا تو اس کی دنیا کی زندگی بھی خوشگوار گذرے گی اور آخرت کی زندگی بھی خوشگوار گذرے گی۔ اس لئے کہ دنیا بھی اسی کی ہے اور آخرت بھی اسی کی ہے۔ اور دونوں جگہ دینے والا صرف وہی ایک ہی۔

شریعت محمدیہ دنیا اور آخرت کی سعادت نجات اور فلاح کی پورے طور پر متکفل اور ضامن ہے اور اس سے ہٹ کر انسان کسی طرح بھی نجات وفلاح نہیں پاسکتا۔ نہ یہ زندگی سکون واطمینان سے گذرسکتی ہے۔ اور نہ مرنے کے بعد چین پاسکتا ہی۔ اللہ رب العالمین کا فرمان ہی۔

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

اور جو شخص ڈھونڈے گا۔ اسلام کے علاوہ کوئی طریقہ تو نہ قبول کیا جائے گا اس سے اور وہ آخرت میں خسارہ والوں سے ہے۔

اسلام ہر خیر و خوبی کو جامع ہے۔ اور انسان کی ترقی کے ہر شعبہ کو حاوی ہے خیر کا کوئی ذرہ اور ترقی کا کوئی شمہ اسلام کے باہر باقی نہیں رہا۔ اگر کہیں کوئی خیر دکھلائی دیتی ہے تو وہ اسی آفتاب کی شعاع ہے۔ پس اسلام کو چھوڑ کر دوسری جگہ خیر کا تلاش کرنا اور کسی دوسری راہ سے ترقی کا جویاں اور خواہاں ہونا سراسر ہٹ دھرمی اور ناقدری ہے جو کسی حال میں بھی لائق قبول اور قابل پذیرائی نہیں ہو سکتی۔ اور نہ وہ خیر خیر ہے اور نہ وہ ترقی ترقی ہے۔

تکمیلِ انسانیت

اسلام نے انسان کو نہ یہ کہ محض بندگی کے اطوار کو سکھایا اور کمال بندگی سے آراستہ کیا اور بندہ کا اس کے معبود کے ساتھ ربط و تعلق استوار اور مستحکم کیا بلکہ انسانیت کو بھی درجہ کمال تک پہنچایا اور انسان کو ان اعلیٰ کمالات اور اوصاف سے آراستہ کیا جو قدرت نے اس میں ودیعت رکھے ہوئے تھے۔ اور جن کی وجہ سے انسان دیگر مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ ہے۔

انسان دراصل ایک بے حقیقت شے ہے۔ گندی شے (منی) سے بنا اور گندی جگہ (رحم مادر) میں وجود پایا اور گندے راستہ سے عالم موجودات

میں آیا اس لیئے اس کا طبعی میلان ہمیشہ گندگی کی طرف ہوگا۔ پھر بھی جان آفریں نے اس تودہ خاک میں کچھ جواہر پنہاں کئے ہیں۔ اور اس کو اپنی قدرت و صنعت کا اعلیٰ نمونہ بنایا ہے اور انسان میں وہ صلاحیت اور استعداد رکھی ہے جس کو بروئے کار لانے سے یہ ذرہ خاک چشمہ آفتاب کو بھی ماند کر دے اور اس حد تک ترقی کر جائے کہ فرشتے بھی رشک کرنے لگیں اس جوہر پنہاں اور استعداد و صلاحیت کا نام "انسانیت" ہے۔ جس کی وجہ سے انسان انسان کہلاتا ہے۔

اس جوہر کو نمایاں کرنے اور اس استعداد اور صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لیئے شریعت کے تمام اوامر اور نواہی مقرر کیئے گئے پس تمام احکام شریعت کا مقصود اس تودہ خاک کو انسان بنانا ہے۔ اور کمالات انسانی سے آراستہ کرنا ہے۔ اور خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ اس کے تعلق کو خوشگوار اور ہموار کرنا ہے۔

کمالاتِ انسانی کو حاصل کرنے کے لیئے دو باتوں کی ضرورت ہے۔

اوّل اپنے نفس کو ہر وقت اپنے خالق اور مالک کی جانب متوجہ رکھنا اور کسی وقت اپنے پروردگار سے غافل نہ ہونا۔

دوسرے خالق کے بتلائے ہوئے طریق کے موافق اس کی مخلوقات کے ساتھ برتاؤ کرنا اور اپنی پوری زندگی کو اطاعت اور فرمانبرداری اور شریعت کی پیروی میں گزارنا۔ اس کے لیئے انسان کو اعلیٰ تعلیم و تربیت اور پورے تزکیہ نفس کی ضرورت ہے۔ جس کے لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا گیا۔ ارشاد ربانی ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِکُمْ یُزَکِّیْکُمْ وَ یَتْلُوْا عَلَیْکُمُ الْکِتٰبَ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ

وہی ہے جس نے بھیجا تم میں سے رسول کو جو تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ اور سناتا ہے تم کو کتاب اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور حکمت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تزکیہ نفس کرنا تعلیم و تربیت دینا علم و حکمت سکھانا کسی قوم یا کسی گروہ کے لئے مخصوص نہ تھا۔ بلکہ پوری انسانیت کی تعلیم و تربیت ہے اور ہر ایک کے لئے انسانیت کا درس اور علم و حکمت کا سبق ہے۔

البتہ اس تعلیم و تربیت کے لئے ابتداً اس قوم کو منتخب کیا گیا جو اپنی جہالت اور ضلالت میں یگانہ روزگار تھی اور تہذیب و تمدن سے بیگانہ تھی۔ تاکہ ان پر تجربہ اور آزمائش کے بعد اس کتاب و حکمت کی حقانیت اور صداقت میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اور بلا تامل اس کو قبول کر لیا جائے۔

اس تعلیم و تربیت کی اہم کڑی "اخلاق حسنہ" سے آراستگی ہے جو انسان کا خصوصی جوہر اور اصلی زیب و زینت ہے۔ جس سے اس کی انسانیت نمایاں ہوتی ہے۔ اور انسان و حیوان میں امتیاز ہوتا ہے۔ اس تعلیم کے ذریعہ اول انسان کو اعلیٰ اخلاق سے آراستہ کیا جاتا ہے اور مکارم اخلاق کا خوگر بنایا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق — میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم

اخلاق کو تمام و کمال تک پہنچا دوں۔

پھر اخلاق کا وہ اعلیٰ اصول تلقین فرمایا جس کے بعد کسی زیادتی کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اور ارشاد فرمایا۔

تخلقوا باخلاق اللہ — اخلاق خداوندی کے خوگر اور عادی ہو۔

جو انسان اخلاق خداوندی سے آراستہ ہوگا۔ وہ بظاہر شکل و صورت میں انسان ہوگا مگر درحقیقت صفات خداوندی کی تجلیات اس میں ہر آن نمایاں ہوں گی اور آفتاب و ماہتاب سے زیادہ درخشاں اور تاباں ہوگا۔ یہ انسانیت کی ترقی ہے جس سے سرفراز کرنا اسلام کا مقصود ہے۔

سعادت مند ہے وہ شخص جو حقیقت کو پہچانے اور اپنے نفع اور نقصان کو سوچے خوب سوچ سمجھ کر غور و فکر کے بعد اپنے لئے صحیح راہ متعین کرے اور مستعدی کے ساتھ اس پر قائم ہو جائے۔ وما علینا الا البلاغ

ما نصیحت بجائے خود کردیم — روزگارے دریں بسر کردیم
گر نیاید بگوشِ رغبت کس — بر رسولان بلاغ باشد و بس

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

احقر زمن
محمد احتشام الحسن غفر اللہ ذنوبہ وستر عیوبہ
کاندھلہ۔ ضلع مظفر نگر
یکم ربیع الثانی ۱۳۶۹ ہجری

بعض تصنیفات حضرت مولٰنا محمد احتشام الحسن صاحب کاندہلوی

ارکانِ اسلام اس کتاب میں ضروری عقائد اور نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ و حج کے
فضائل اور مسائل درج فرمائے۔ تبلیغی گشتوں میں اس کو زیر تعلیم رکھنے اور
بچوں بچیوں کو بھی ضرور پڑھائیے۔ کتاب اس قابل ہے کہ مدرسوں میں داخل
نصاب کی جائے۔ قیمت مجلد خوبصورت گرد پوش ۱عہ/ بلا جلد ۱عہ/

اسلامی زندگی فاضل مصنف نے مختصر رسالہ میں شریعت و طریقت کی
تعریف کی ہے۔ محبت خداوندی حاصل ہونیکا طریقہ واضح کیا ہے اور عبادت
میں ذوق و شوق حاصل کرنے کی تدبیریں درج کی ہیں۔ قیمت ۳/

اصلاحِ انقلاب یعنی مسلمانوں کے تنزل کے اسباب اور ان کا علاج۔ مسلمانوں
کی زبوں حالی کا بیان۔ ترقی کا صحیح راستہ۔ زندگی کا مقصد۔ اصلی انحطاط کا باعث
اور دیگر عوارض جدید و قدیم اثرات کا تصادم و تمام مشکلات کے صحیح طریقہ علاج
کی توضیح اس کام کے نتائج اور ثمرات وغیرہ وغیرہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ۴/

مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج اس مختصر رسالہ میں اول مسلمانوں کے تنزل
کے اسباب کی تحقیق کی ہے۔ پھر اس کا علاج قرآن و حدیث کی روشنی میں تجویز
کیا۔ اور حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب رح کے تبلیغی نظام کا دستور العمل۔ ۴/

آدابِ معاشیت کھانے اور پینے اور پہننے کے سلیقے اور مختصر آداب۔ قیمت ۸/

حیاتِ فخر حضرت امام فخر الدین رازی رح کی مختصر سوانح عمری۔ قیمت ۱۲/

رفیقِ حج مناسک حج اور اس کے آداب شرائط و دعائیں مختصر جامع کتاب ہے۔ قیمت ۱۰/

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُن کی دینی دعوت

(تالیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

جدید اڈیشن

یہ کتاب اس دور کے مشہور مصلح اور عارف مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی سوانح حیات ہے جس میں مولانا کے ذاتی حالات اور سوانح کے علاوہ انکی مشہور دینی دعوت کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جو بلاشبہ اس دور کی سب سے بڑی اور گہری دینی تحریک ہے۔

اس دعوت وتحریک کے پس منظر اسکے بنیادی اصول اور اسکی ارتقائی منزلوں کو جس تحقیق وتنقیح کے ساتھ بہترین علمی اور تصنیفی زبان میں اس کتاب میں پیش کیا گیا ہے۔ وہ اسکے محترم مؤلف ہی کا خداداد حصہ ہے۔

اس اڈیشن میں تین اضافے نہایت اہم ہیں

(۱) شروع میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہ کا مفصل اور مبسوط مقدمہ ہے جسمیں کتاب و سنت کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کے اصول دعوت کی تشریح کرکے دکھایا گیا ہے کہ اس دینی تحریک کو اسوۂ انبیاء سے کس درجہ کی مطابقت ہے۔ (۲) حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے نہایت اہم خطوط ومکاتیب کے قریباً ستر اسی اقتباسات یہ خطوط کتاب کی پہلی تیاری کے وقت نہیں مل سکے تھے۔ (۳) مولانا مرحوم کے آخری سفر حجاز کی مفصل روداد جو حرمین میں دعوت کا سلسلہ جاری کرنیکے لئے کیا گیا تھا۔ ان اضافوں نے کتاب کی قدر وقیمت اور اسکی تاثیر وطاقت میں بہت بڑا اضافہ کردیا ہے۔ قیمت دو روپیہ آٹھ آنہ (۲؍۸)

ملنے کا پتہ:- **کتب خانہ انجمن ترقی اردو (ہند) جامع مسجد دہلی**

(محبوب المطابع برقی پریس دہلی)

آدابِ معیشت

اِصلاحِ انقلابِ

اسلامی زِندگی

مُصنّفہ

مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

ملنے کا پتہ

کتب خانہ انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی